

اوراقِ پریشاں

شری ۱۰۰۸ جین بھوشن

شری جین مہاگورو

بمل منی جی مہاراج

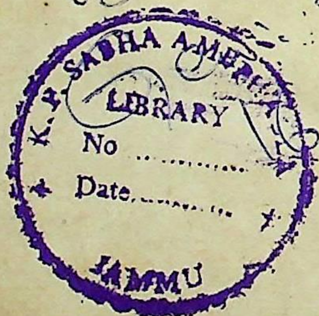
کے

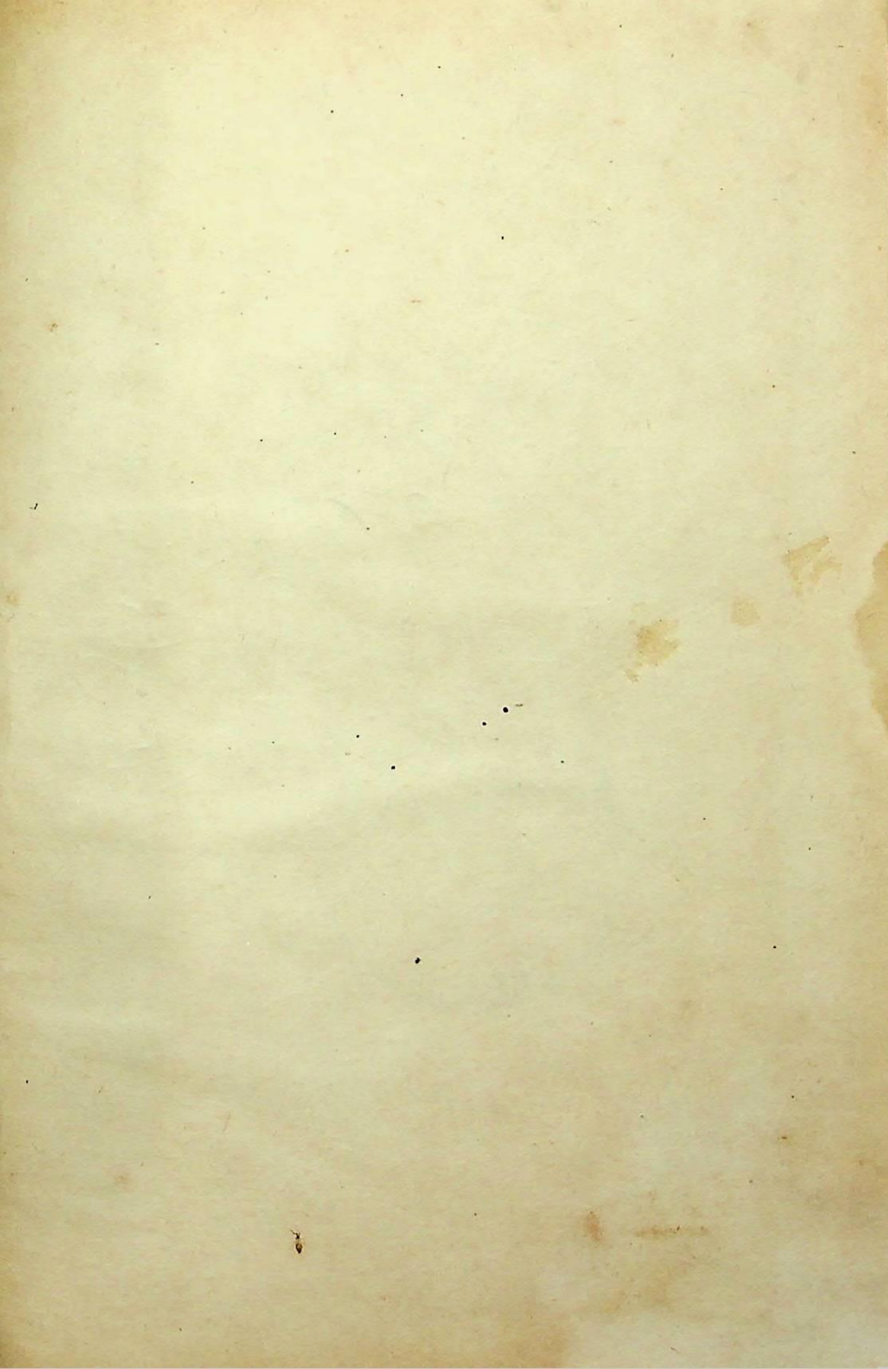
زرّیں خیالات

یہ کتاب اوراقِ پریشاں جسکے مصنف
پرمانند جی المست، واقعی المست ہیں جنہوں
نے سماجک تتھا ادھیاتمک پر اپنی بڑی
گمبھیرتا سے سوجھ بوجھ کے ساتھ جہالت کا
پردہ اٹھانے کیلئے قلمبند کیا ہے انکا ایسا کرنا
یہاں انکی سچائی پسندی کا ثبوت ہے وہاں
انکی آتم نربھرتا اور نڈرتا کا بھی شاندار ثبوت
ہے

(15) (14) 3 2

Donated by Bhan B. N. Secty 5.83





اوراقِ پریشاں

مصنف

پرمانند المست

جموی

قیمت ۱- دو روپے

یہ کتابچہ میں اپنے اُستاد شری برج
لال جی جنڈیال مرحوم کے نام
منسوب کرتا ہوں

دیباچہ

اوراق پریشان کو میں نے جستہ جستہ دیکھا ہے اگر یہ کہوں کہ یہ اوراق المست کی کتاب زندگی کے اوراق پریشان میں سے فقط ایک ورق کی منہ بولتی تصویر ہے تو بے جا نہ ہو گا۔ دنیا کی اسٹیج پر بچپن اور جوانی کے بے فکر تماشوں میں المست کا ذوق سلیم تماشا بن کر بھی تماشائی رہتا ہے ان اوراق کا مطالعہ تماشا اور تماشائی کی نسبت سے ان تاثرات کی گہری چھاپ کا حامل ہے۔ جو قاری کا ذہن قبول نہ کرنے کی باوجود قبول کرنے پر مجبور ہو گا۔ کیوں کہ فطرت انسان کا یہ تقاضا یہی ہے

المست کو اپنی کوتاہیوں کا اعتراف ہے اس نے جو دیکھا جو سنا اور جو کیا سیدھی سادھی زبان میں لکھ دیا۔ اس لحاظ سے اس کتاب میں زبان وبیان کی خوبیاں تو کیا خامیاں بھی شاید قابل عفو نہ ہوں لیکن یہ بات یقیناً قابل داد ہے کہ المست نے "جو بات" کی خدا کی قسم لاجواب کی ٹپتے کی باتیں کان میں نہیں نوک قلم سے برسر عام کہہ دیں باتیں پرانی ہیں۔ انداز بیان کا اسلوب بھی پرانا ہے لیکن صدیوں کے تاریخی حقائق اگر ماضی ماضی کہہ کر نظر انداز کئے جائیں تو نئی تاریخ کے نفسیاتی تجزیئے

"پرانے تجربہ" کی بنیادوں پر قائم ہیں کئے جا سکتے بس یہی نکتہ المست کے اوراق پریشان کے مطالعہ کی بنیادی قدر و قیمت کا بلند معیار رکھتا ہے۔

المست ڈوگری شاعر ہے نیچرل شاعری اس کی گھٹی میں ہے اردو کی نسبت ڈوگری میں کہنا اور لکھنا اس کے لیے آسان ہے اردو میں المست کی شاید یہ پہلی کوشش ہے اور کہا نہیں جا سکتا کہ یہ کوشش کامیاب ہے یا ناکامیاب لیکن اس لحاظ سے قابل داد ہے کہ تماشا بن کر بھی اور تماشائی بنکر بھی جو دیکھا وہی لکھ دیا۔ اوراق پریشاں افسانہ، کہانی یا ناول یا ادبی تصنیف نہیں۔

یہ المست کی آپ بیتی ہے اور آپ بیتی کو آپ بیتی ہی کے تصور میں پڑھنے والے یقیناً اوراق پریشان سے پریشان نہیں بلکہ لطف اندوز ہوں گے۔

مجھے المست کے محبانہ مستی سے فقط ایک تماشائی جیسی شناسائی کا حق ہی حاصل رہا۔ اگرچہ المست کی ڈوگری شاعری تسکین ذوق کا سامان بھی ہم پہنچاتی رہی اور اس سلسلہ میں کلام شاعر بہ زبان شاعر کے لحاظ سے ان کی زندگی کے کچھ واقعات بھی گوش پذیر ہوتے رہے "ایک انسان اگر گل صد رنگ یا ہزار داستان کا مجموعہ ہو سکتا ہے تو المست کی زندگی بھی شاید ایسے ہر گل" کی تفسیر ہو سکتی ہے لیکن المست آپ کیا ہے یہ شاید المست کے اوراق پریشان بھی ظاہر کرنے سے معذور رہیں اس لیے اس کا جواب المست کو اپنے ہی " خمخانہ المست " کے بادہ غم میں ڈھونڈھنا

چاہیئے۔

المستؔ کا نام "پرمانند" ہے جو آپ ہی پرم آنند ہو وہ تخلص بھی
المستؔ رکھے بات کچھ جچی نہیں۔ پھر اس لئے بھی کہ تخلص فارسی نژاد
اور کلام خالص ڈوگری بالکل گنگا فرات کا میل ہے لُطف یہ کہ اِن دو میل
کے سنگم سے جو سنگ میل قائم ہوا ہے۔ وہ المستؔ کے ڈوگری کلام
کی اشاعت ہے۔ جس کے لئے المستؔ کی یار آور کوششیں قابل
ستائش ہیں اوراق پریشان غالباً اسی کارواں کا "بدرقہ" ہے ظاہر ہے
صدا طوطی کی سنتا کون ہے نقار خانے میں "ناقہ لیلےٰ" کی گھنٹی کی آواز
مجنوں کے کان ہی سنتے تھے۔ ہر ایک کے نہیں۔ اس لحاظ سے المستؔ
کی شاعری پسند کرنے والے اگر المستؔ کی آپ بیتی کے تاثرات
میں خصوصاً۔ ہر مندر میں ہر بھگوان" کے روپ کیرتن اور بھجن" کے
پس پردہ ڈھولک کے گیت" سننے کی کوشش کریں تو وہ المستؔ
کے تجربات میں وہ سب کچھ پائیں گے جو ملمع کے نیچے سچائی کی
صورت میں سکتی ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا میں المستؔ کی ہر ادا کا خریدار ہوں اور
مجھے المستؔ جو کہے اسے سچ کہنا چاہیئے۔ میں دمادم مست قلندری کا
بھی قائل نہیں نہ میں ملّا خشک ہوں نہ المستؔ کو حرص و ہوا کی قید سے آزاد
سمجھتا ہوں نہ وہ بھی دار ہے میں ہی ہوں وہ بھی کسی روحانی سہارے
کا قائل ہے میں بھی خدا کی خدائی سے منکر نہیں پھر بات سے بات نکلی کے اعتبار سے
اگر میں اس کے تجربات زندگی کو مشعل راہ نہ سہی محض تفنن طبع کیلئے سراہتا ہوں اور
قدر کرتا ہوں تو یہ کوئی احسان نہیں۔ بلکہ سچائی کی تلاش ہے

ڈی۔ این کپور (پونچھ)

اپنی ادھیڑ بن نہ گئی بعد مرگ بھی
ہم قبر میں بھی تارِ کفن سلجھتے رہے

اوراقِ پریشاں

اسم بامسمیٰ ہے یہ مسودہ میں نے سنہ ۱۹۲۷ء کو مکمل کیا تھا۔ یہ مسودہ سمجھو یا میری زندگی کے کچھ ناچیز تجربات"

استاد شری برج لال جی جنڈیال کی خدمت میں اصلاح کے لئے پیش کیا۔ انہوں نے بڑی مسرت کا اظہار کیا۔ اور فرمایا "شاباش تم نے ایک حقیقت کا انکشاف کیا ہے۔ یہ مسودہ ایک نہ ایک دن دنیا کے لئے ایک مشعلِ راہ ثابت ہوگا جو کچھ قلم بند کیا ہے۔ ملک اور قوم کے واسطے بہت مفید ہوگا۔

عالم اور باعمل استاد کے اتنے مہربان الفاظ سن کر کون ہے؟

جس کو خوشی نہیں ہوتی۔ لیکن اشاعت کے بارے میں کیا عرض کروں پریشانیوں میں اضافہ ہوا۔ کوشش جاری رہی بہت سر پٹکا باریابی نہ ہوئی ادبی دوستوں کو مسودہ پیش کیا۔ انہوں نے اپنا قیمتی وقت صرف کر کے مسودہ کو الف سے ے تک پڑھا۔ سب نے پسند فرمایا۔ چند اصحاب کے ارشادات مندرجہ ذیل ہیں۔

شری دھن ونتری جی :-

یہ مسودہ لینن کے دھرم کے پرتی وچاروں کا ترجمان معلوم ہوتا ہے

موہن یاور :-

اس کی اشاعت ضرور ہونی چاہئے کار آمد چیز ہے

دیانند کپور ریڈیو آرٹسٹ جموں

"یہ تحریر سمندر کو کوزے میں بند کرتی ہے۔

ڈاکٹر سیتا رام سکریٹری آریہ سماج جموں

یہ مسودہ شری آنند سوامی جی سے ملاحظہ کروائے جانے کے بعد ان کے زریں اقوال سے اس طرح آگاہ فرمایا۔

"کہ اس کی تحریر کرنے والے نے بڑی جرأت سے کام لیا ہے اور کئی باتیں اس میں ایسی ہیں جو کہ سوامی دیانند جی بھی نہ تحریر فرما سکے اور موجودہ دور کے واسطے قوم اور ملک کے لئے ایک روشنی ہے روڑھی واد کا پول کھولنے کے لئے بڑھ چڑھ کر صاف گوئی سے کام لیا ہے۔ اس کی اشاعت ضرور ہونی چاہئے بگڑے ہوئے سماج کے واسطے

پیشین‌دراہ کا کاٹے سکتا ہے۔

شری مولانا محمد سعید مسعودی

"میرے عزیز دوست اور غتا کے دوست ڈاکٹر المستا کے سینے میں خدا نے ایک حساس مند دل کو جگہ دی ہے۔ یہ دل یہ صرف ایک شاعر کا دل ہے بلکہ خدا سے لو لگنے والے اور خدا کی سب مخلوق کو ہمدردی کی نظر سے دیکھنے والے فقیر کا دل ہے۔ اور یہ قدرت کا بڑا عطیہ ہے۔"

ہر جبی چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم انیرؔ
سارے جہان کا درد ہمارے ہی دل میں ہے

انیرؔ

مجھے ڈاکٹر صاحب کے ساتھ ملاقات کا شرف کئی سال سے ہے۔ اور میں نے ان کی خود نوشت زندگی کے کچھ اوراق بھی آج سے پانچ چھ سال قبل پڑھے تھے۔ آپ نے بعض ایسے تجربے قلمبند کئے ہیں جن کو منتخب کر کے اگر شائع کر دیا جائے۔ تو پڑھنے والوں کو آجکل کے گھپ اندھیرے میں روشنی کی شمع کا کام دے سکتے ہیں۔ آج جب کہ میں سیاسی ہنگاموں کی دنیا سے دور ایک گوشۂ گمنامی میں سر چھپائے ماضی کو بھول ڈالنے میں مصروف ہوں۔ ڈاکٹر صاحب کی ملاقات کے میرے لیے بڑی بھاری قیمت رکھتے ہیں۔

"اے زقت خوش کہ وقت ما خوش کردی

محمد سعید مسعودی ۲۱ ستمبر ۱۹۵۷ء گاندربل کشمیر

ٹھاکر گنگا ناتھ جی بی اے پریذیڈنٹ ڈوگرہ منڈل جموں

"میں نے مصنف شری پرمانند الست کا مسودہ اوراق پریشان الف سے یے تک پوری توجہ سے اور دلچسپی سے پڑھے۔ میری رائے ہے کہ مصنف صاحب نے قابل اور تجربہ کار جراح کے طور پر ہندو سماج کے قالب ان حصوں پر جہاں فاسد خون کے ناسور رس رہے تھے۔ اپنے بہترین نشتر سے ایسا چرکہ لگایا ہے جو مریض کی دائمی صحت کی بحالی کا ضامن ہوگا۔ بشرطیکہ مریض اس سے دانشمندی اور احتیاط سے مستفید ہونے کے لیے آمادہ ہو۔ اور اس پر عمل پیرا ہو۔ میں مصنف صاحب کی صداقت پسندی اور عالی ہمتی کی داد دیتا ہوں۔

تحریر ۹ نومبر سنہ ۱۹۵۶ء

مولانا عبدالرحمٰن ایم پی جموں کشمیر

"میرے قیام پنجاب ہوٹل سرینگر کشمیر میں الست صاحب کے تحریر کردہ چند اوراق بڑی دلچسپی سے پڑھنے کا موقعہ ملا میں نے بارہا مطالعہ کیا۔ میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مصنف صاحب نے بڑی دیدہ دلیری سے کام لیا ہے۔

میں نے ہی مصنف صاحب کو اس کا نام ادراکِ پریشاں رکھنے کا مشورہ دیا ہے۔

کام سے ہے کام اُن کو۔ گو ہو عالم نکتہ چیں
رہتے ہیں بتیس دانتوں میں زبانوں کی طرح
حالی

شری گردھاری لال ڈوگرہ فائنینس منسٹر جموں و کشمیر

میں نے مسودہ حرف بہ حرف پڑھا۔ موجودہ دور کے لیے بہت مفید ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

ڈاکٹر سیتا رام سیکریٹری آریہ سماج کالج نکھاگ جموں نے یہاں تک کہہ دیا۔ اگر اس مسودہ کا ہندی (دیوناگری) میں انوواد کر دو۔ تو ہم سماج کی طرف سے آریہ گزٹ میں سلسلہ وار مضمون شائع کروا دیں گے۔ اسی امید پر یہ پریشانی کا پٹارا ایک اچھے ادبی دوست کے سات دن کے وعدے پر سپرد کیا ایک ہفتہ کس کا۔ برابر ڈیڑھ سال کے بعد واپس کیا۔

بھاگو خدمت سے کہ اچھا نہیں انجام اسکا
جس کا پتھر کا کلیجہ ہو وہ لے نام اسکا

خیر! مسودہ نے اپنے نام کی لاج رکھ لی۔ اپنی مالی کمزوری کی وجہ سے ہی دَر دَر کی ٹھوکریں کھانے کھانے آخر اپنی جماعت ڈوگری سنستھا کی شرن لی۔ تمام ممبروں نے اس کی اشاعت کا وعدہ فرمایا۔ دو سال تک وہاں

ردّی کی ٹوکری میں پرورش پاتا رہا۔ بڑی جدوجہد کے بعد واپس مل گیا۔

نکلنا خُلد سے آدم کا سنتے آئے تھے لیکن
بڑے بے آبرو ہو کر تیرے کوچہ سے ہم نکلے
غالب

محمد ایوب لیکچرار مولانا آزاد کالج جموں

بندہ نے شری المست کے "اوراق پریشاں" کا بغور مطالعہ کیا۔ شری المست نے ہندو سماج کی خامیوں کی جو عکاسی کی ہے۔ وہ قابل داد ہے۔ اُن کا یہ مسودہ ٹھوس تجربات کا مجموعہ ہے۔ اور مجموعہ دور کے تقاضات کے عین مطابق ہے۔ جس بات کو قابل مصنف نے آج سے پچیس سال پہلے محسوس کیا لوگ اسے آج محسوس کر رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے۔ اُن کی دلیرانہ تحریر آج بھی عوام کے لئے فلاح و بہبود کا ایک بہترین نسخہ ثابت ہو سکتی ہے۔

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی
اقبال

ایس ایم خان لیکچرار مولانا آزاد کالج جموں۔

شری المست نے "اوراق پریشاں" میں مذہب سے ناجائز فائدہ اٹھانے والوں کی پردہ دری کی ہے۔
انہوں نے اپنے تجربات اور مشاہدات کو ترتیب دے کر قابل

... جرات سے کام لیا ہے۔

رئیس التحریر شری نرسنگ داس نرگس "مدیر چاند"

شری پرمانند الست سرزمین ڈوگر کے مایہ ناز ڈوگری زبان کے شاعر ہیں۔ آپ نے اپنی ۴۵ سال کی عمر میں شاعری شروع کی۔ لیکن بچپن سے ہی گھریلو مصائب میں مبتلا رہے اور اوراق پریشان بس اس تلخ زندگی اور تجربہ کا نچوڑ ہے جو کہ ہر ایک کے لیے سبق آموز ہے میں چاہتا ہوں کہ لوگ ان اوراق کو پڑھ کر الست صاحب کے خیالات سے مستفید ہوں۔

آغاز

ابھی میری عمر کا نواں سال بیت رہا تھا۔ کہ فلک نے میرے باپ کا سایہ سر سے ہٹا دیا۔ بڈھے دادا کی سرپرستی میں پرورش پائی۔ اور بڑی مشکل سے مڈل پاس کیا۔ ماں اکثر بیمار رہا کرتیں ماں کے پیار سے بھی محروم رہا۔ یوں تو کہنے کو تین چچا بھی تھے لیکن اُلٹے دشمن۔ کیا ذکر کروں بخوف طوالت وہ جائیداد کے لئے میرے جان لیوا رہے ہے۔

مارنے والے سے رکھنے والا بڑا بے انت ہے

چاک کو تقدیر کے ممکن نہیں کرنا رفو
سوزنِ تدبیر گو ساری عمر سیتا رہے

دادا کو خوش دیکھنے کی خواہش نے مجھے کم سنی میں ازدواجی زنجیروں میں جکڑ دیا۔ شادی ہونے کی دیر تھی۔ ماں کی نصیحت سے پڑھائی ترک کرنا پڑی۔ ماں اکثر یہی کہا کرتی تھیں۔ کہ پڑھو تا کہ تمہارا بیاہ ہو جائے اور دلہن کو دیکھ کر مروں۔

نے بچے پر ماں کی نصیحت کا گہرا اثر پڑتا ہے۔ شہر کی زندگی۔ اوائل عمر اور دیکھ بھال کرنے والے غنیمت اور بیمار۔ ان حالات میں اکثر نوجوان بگڑ جایا کرتے ہیں۔ بری سنگت کی وجہ سے بری عادتوں کے جال میں پھنس گیا۔

مکن بد چہ دانی کہ از کار بد
بغیر حجام بر بد کنش بد رسد — فردوسی

دادا کوئی امیر کبیر نہ تھے۔ اور نہ ہی کوئی دھندا تھا ہی غیر منقولہ جائیداد کے کرایہ سے دال روٹی کا گزارہ تھا زمانہ سستا تھا۔ زندگی کی گاڑی چلتی رہی۔

سنہ ۱۹۷۸ بکرمی۔ دادا جی کا بھی انتقال ہو گیا۔ اس وقت میرے سر پر چھ افراد کا بوجھ تھا۔ سرکاری نوکر ہو چکا تھا تنخواہ تھی انیس روپے آٹھ آنے ماہوار۔ دادا کے مرنے کی دیر تھی کہ چچاؤں نے جائیداد کے واسطے مل کر فوج داری اور دیوانی (فرضی مقدمات) میں جکڑ لیا خرچ آمدنی سے بڑھ گیا۔ دال روٹی تو چل رہی تھی۔ لیکن دوسری ضروریات کے لئے قرض ہی برداشت کرنا پڑتا تھا۔ ان ہی اخراجات کی بدولت جائیداد کو کوڑیوں کے دام فروخت کرنا پڑا۔

اس حقیر سی تنخواہ میں اپنی عادات۔ گھر کے اخراجات کیسے نبھائے جاتے۔ قرض بھی آسانی سے نہ ملتا۔ ان دنوں میری حالت نہایت پریشان کن تھی۔ اس پر طرہ یہ کہ میں خود بیمار ہو گیا۔ ڈاکٹروں نے تپ دق

فتوے دیا۔ غم کے پہاڑ سر پر ٹوٹ پڑے غریبوں نے روزے رکھے۔ دن بڑے ہوئے کوئی امداد کرنے والا نہ تھا۔ ان حالات میں گھبرا گیا۔ گھبراہٹ بن گیا۔ بُرے دنوں میں اگر کوئی امید کی کرن یا جینے کو سہارا ہو سکتا تھا۔ تو صرف ایک ایشور کی یاد اور اُس کی عبادت ہے۔

آ ہی جاتا ہے زندگی میں اک وقت
کرنا پڑتا ہے سب کو اللہ اللہ

جب آدمی ہر طرف سے مایوس ہو جاتا ہے چاہے وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ اپنے عقیدے کے مطابق مذہبی راستہ اختیار کرتا ہے۔ اس لئے میں بھی اپنے مرض بے چینی اور پریشانی سے چھٹکارا پانے کیواسطے یہی طریقہ بروئے کار لانے پر مجبور ہوا۔

تلاشِ تسکین:۔ یہاں ایک بڑے مندر میں جانا شروع کر دیا۔ بھگوان! جس کا نہ کوئی رنگ نہ روپ۔ کام نہ دھام۔ لامحدود جس کی کوئی حد نہیں لیکن دنیا کی سی جماعتوں نے اس کو بھی چند اینٹوں اور پتھروں اور رنگ عمر کے ٹکڑوں میں مقید کر رکھا ہے۔ پرانے خیالات کے زیر اثر مندر میں جانا شروع کر دیا۔ لیکن مندر میں بھی سب ہی کو بے چین دیکھا۔ بھگوان کو مراد پوری ہونے کی فکر تو پوجاری کو چڑھاوے کی فکر۔ اس مندر میں کچھ پریشان کن واقعات دیکھنے میں آئے۔ سب کا

کا ذکر کرنا بے معنی اور بدمزگی پیدا کرنے کے مترادف ہوگا
اگر میں یہ کہہ دوں کہ مندر اور شوالے یا دیگر دیواستھان
بے کاری پیدا کرنے کے اڈے ہیں کچھ برا نہ ہوگا پہلے عرض
کیا جاچکا ہے۔ کہ کچھ واقعات دیکھے تمام کو چھوڑ کر چند کا ذکر لازمی ہے

ملاپ گھر:- ان دنوں یہاں ایک بھگت جی مہاراج
تھے سچ مچ سے آیا کرتے تھے۔ گھنٹوں نہیں پہروں "پری کرما" یعنی
گھوما پھیری میں گزار دیتے تھے پجاری جی مہاراج بھی اُن کی کافی سے زیادہ
آؤ بھگت کرتے کیوں نہ ہو؟ "تل تا نہ یہاں لگے نرم ہوت تت کال"
میرے جیسے دل جلے کو اُسے دیکھ کر حسد اور رشک ایک وقت آتے
دل میں خیال اُٹھا کہ شاید ان بھگت جی سیدھے نارائن کے گھر
بلا روک ٹوک جائیں گے۔ لیکن چند دنوں کے بعد معلوم ہوا کہ آنجناب
ایک اچھے گھرانے کی سندری کو لے کر نو دو گیارہ ہو گئے۔ بھگت جی
کی مراد بر آئی یہ مندر ہی اُن کے ملنے ملانے اور بات چیت کرنے
کا ایک بہترین ٹھکانا تھا۔

دوسرا واقعہ

بھگوان کے گھر چوری:-

یہ واقعہ بہت مزے دار ہے اب
مندر کا مہنت بڑا عیش پرست اور رنگیلا آدمی تھا وہ تو مندر میں پوجا نہیں

کرتے بالکہ ایک نوکر رکھا تھا۔ اس بیچارے کی حالت قابلِ رحم تھی۔ چند دنوں تک تو اسنے بڑی دیانتداری سے کام چلایا خوب اعتبار جمایا۔

آخر اس نے چڑھاوے کے پیسے چرائے اور کافی مال جمع کر لیا۔ کہاوت ہے کہ سو دن چور کا ایک دن شاہ کا۔ کانوں کان یہ خبر مہنت جی کو مل گئی۔ ایک دن مہنت نے خفیہ طور چھاپا مارا اور چور کو موقع پر پکڑ لیا اس قسم کے ہزاروں واقعات کئی ایک منچلے انہوں نے ڈراموں اور ناولوں میں پیش کئے اور کئی ایک اخباروں میں آئے دن شائع ہوتے آ رہے ہیں۔ ان کے علاوہ اور کئی قسم کے گناہ در پردہ ایسے مقاموں پر ہوتے دیکھے سب مجھے چین اور استقلال نہ ملنا تھا۔ نہ ملا بلکہ بے چینی میں کچھ اضافہ ہوا۔

"ارے اس مندر کا بھگوان خود مجبور ہے۔ لہذا میں نے دوسرے مندر میں جانا شروع کر دیا۔ اس مندر کا مہنت ایک نوجوان خوبصورت ڈیل ڈول والا، مالدار۔ امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ سے زندگی بسر کرنے والا بیراگی مہاتما تھا۔

اس مندر میں زیادہ تر نوجوان خوبصورت استورات کی زیادہ آمد تھی مہنت جی بھی مست الست اور بھگتنیاں بھی مست۔

"خوب گذرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو"

سمجھداروں کے لئے اشارہ ہی کافی ہوتا ہے۔

یہاں کا رنگ ڈھنگ دیکھ کر میری عقل دنگ رہی تھی۔ اس مندر

مندر کو چھوڑ ایک شوالے میں تلاشِ حق کے واسطے جانا شروع کردیا
یہاں کا مہنت یوں تو شریف سنیاسی تھا۔ لیکن سود خوری اور روپیہ
پیسہ جمع کرنے میں ایک بنئے سے کم نہ تھا۔

ایک دن میں بھگوان آشو توش کی پوجا کے سامنے نندی گن
کو دیکھ رہا تھا۔ بھگت سبز سبز گھاس۔ اُس پتھر کے بیل کے آگے ڈال
جاتے ہیں نے نوکری پر جاتا تھا۔ راستہ میں دیکھا کہ اصلی بیل میلے کے
ڈھیر پر کوڑا کرکٹ کھا رہا ہے ___ اپنی قوم کے بھگتوں کی نادانی
سمجھ میں آگئی۔

دوسرے دن جاتے ہی میں نے مہنت جی سے عرض کی کہ
آپ کو شو جی کی سواری کے واسطے زندہ بیل رکھنا چاہیئے۔ اور آوارہ
ننگے بیل کا مندر کی آمدنی سے پالن ہونا چاہیئے۔ مندر کی آمدنی قومی سرمایہ
ہے۔ یہ سرمایہ قوم کی بہبودی کے لئے خرچ ہونا چاہیئے۔ اچھے
بیل ہونے سے گو نسل کا سدھار ہوتا ہے جس سے دودھ کی
زیادتی ہوتی ہے۔ اتنی بات سنتے ہی مہنت جی آگ بگولہ ہو گئے
جی بھر کر کوسا آپ کوئی ٹھیکیدار ہیں۔ ہم مہنت ہیں۔ ہم کو سمجھانے
کی ضرورت نہیں ___ اگر میں وہاں سے نہ بھاگتا تو ڈنڈوں سے
بھی مرمت ہو جاتی۔

کچے ہیں صبوحے ہیں کچھ میں جرجرے
رونا نہیں ہے ایک کا آوا بگڑ گیا

اِن مندروں شوالوں میں چین بھگوان نہ ملا۔ مگر ایک بات کا پتہ چل گیا یہ اینٹ پتھر کے گورکھ دھندے ایک ڈھکوسلہ ہیں مورتیاں رام کرشن مہیش گنیش کلاکاروں کے مبارک ہاتھوں کی محتاج ہیں۔ جو کچھ اِن بتوں کی پرستش میں ہے۔ وہ اپنا اپنا ہی خیال ہو سکتا ہے اگر ان بتوں میں کوئی جلوہ ہوتا تو مجھے چین ملتا۔ بے چینی دُور ہوتی۔

اُلٹے لینے کے دینے پڑے۔

بے چینی کی بیل میں نئے شگوفے نکل آئے۔

گہری سوچ نے اور دبوچ لیا

بندر کی بلا طویلے کے سر

یہ مورتیاں ....

پتھر مٹی سونا چاندی پیتل کانسی اور کہیں کہیں چوبی مورتیاں بھی ہیں۔ جن کو میرے جیسے ہی کاریگر انسان نے بنایا ہے۔ ان کی پوجا ہوتی ہے۔ ان پتھروں سے علیحدہ ہوئے سنگ مرمر کے ٹکڑوں سے اور بھی چیزیں تو بنتی ہیں۔ کوئی فرش پر جڑا ہے اور کوئی یوں ہی راستے کی ٹھوکریں کھا رہا ہے۔ غرضکہ گندی سے گندی جگہ پر کام آ رہا ہے۔ ایک طرف تو یہ دوسری طرف یہ اعتراض پیدا ہوا۔ کہ لاکھوں کروڑوں روپے خرچ کرکے بڑے بڑے راجاؤں، مہاراجوں، اسیٹھ ساہوکاروں نے ادا سے بنوائے اور بڑے بڑے پنڈتوں نے شاستری طریقہ سے ان کو جیو دان دے کر اس لائق بنایا۔ کیا وہ بے وقوف تھے؟ اس پر یہ ترے

مہاپرشوں کی یاد ہے تمہیں کیا حق ہے کہ ان کی یاد میں اس طرح اناپ شناپ بولو۔

دیکھ جس مندر میں تم نے پہلے جانا شروع کیا تھا کتنا زرکثیر خرچ کرکے بنوایا ہوگا۔ کسی تیرے جیسے مزدور کی ہے طاقت؟ جو ایسے ادالے بنوا سکے۔ ان خیالوں نے بھی میرے من کو چین نہ دیا۔ الٹا ایک اور لپیٹ میں آگیا۔

واقعی اگر مندر وغیرہ سرمایہ داروں کے محتاج ہیں تو اور بھی خرابی ہے۔ سرمایہ بغیر "پاپ کمائی" لوٹ کھسوٹ کے جمع نہیں ہوتا۔ اور اس سرمایہ سے یہ ادالے (مندر) وغیرہ بنوائے جاتے ہیں۔ صرف اس غرض کو مدنظر رکھ کر کہ جو کچھ برا کھیلا کر کے دھن جمع کیا ہے کسی دھرم کے کام پر لگے اور ہمارے گناہوں کا کفارہ ہو۔ اور عقل کے اندھے اس آڑ میں ہمیں نیک خیال کریں۔ تاکہ اور زیادہ لوٹ کھسوٹ کرنے کا موقعہ مل جائے۔

منہ میں رام بغل میں چھری

کوئی اچھا مالدار لاولد عدم آباد سدھار جاتے۔ بطور یادگار مندر شوالا وغیرہ تعمیر کیا جاتا ہے۔

شاید چند ایک اپنے اپنے مذہب کے دیوانے بھی ایسا کرتے ہیں۔ لیکن ایک سچا پریمی ایسا نہیں کر سکتا۔ کیوں کہ سچا پریمی عام طور پر غریب مزدور کنگال ہی تو ہے۔ وہ تو چراچر میں اسی کا جلوہ دیکھتا

ہے اُسے ہر جگہ نئی نظر آتا ہے۔ وہ بھی صرف اپنی محنت مشقت اور کام
دھندوں سے جیو نارائن کو پالنے کا ہی واسطہ رکھتا ہے۔ دوسروں کے
لئے کشٹ برداشت کرنا بھلائی اور دیش سیوا، ماتو تا کی عبادت کرنا ہی
اپنا کرم دھرم سمجھتا ہے

اگر سچ پوچھو تو ان سرمایہ داروں نے ایشور کو اپنی تجوری کا مال سمجھ
کر ایک کھلونا بنا رکھا ہے۔ غریب پڑوسی معہ عیال بھوک کی آگ میں
جل رہا ہے۔

اور یہ لذیذ کھانوں سے بے جان مورتیوں کو سیر کرا رہا ہے
کیا مخول بنا رکھا ہے ان الجھنوں نے میری رہی سہی عقل کا دیوالہ نکال دیا

میری سمجھ نے جواب دے دیا۔ "جھوٹ کیا ہے اور سچ کیا ہے"
خیال نے پھر قلابازی لگائی میں کتنا ناستک ہو گیا ہوں۔ پرم پیارے
بزرگوں کے بنائے ہوئے راستہ کو چھوڑ کر گمراہ ہو رہا ہوں۔ اس بارے
میں ایسا سوچنا بھی پاپ ہے۔ تو نرک کا بھاگی ہوگا من کی کمزوری سے
میں تھر تھر کانپنے لگا۔ نہیں . . . نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس میں کوئی
نہ کوئی راز سربستہ ہے۔ کیا ہمارے رشی منی دعالم بزرگ ان باتوں
کو نہ سمجھتے تھے؟ کیا وہ اتنے انجان تھے؟ جتنا کہ میں

اس خیال نے میرے دل کی دھڑکن کو کچھ کم کیا اور سوچنے کا
موقعہ مل گیا۔ سوچتے سوچتے آخر یہی سوچ پایا۔ کہ مندر و شوالے وغیرہ
بنانے کا شائد یہ مطلب ہو کہ ان اداروں میں لوگ تعلیم حاصل کریں۔

اناتھوں، اپاہجوں، یتیموں کی پرورش ہو اور تعمیری کاموں میں اصلاح ہو یا گئو سیوا جو کہ ہندو دھرم کا موکش انگ ہے۔ پالن اور نسل سدھار ہو۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ ہر ایک مندر میں گئو شالہ اور پاٹھ شالہ بنوائی گئی ہے۔ اگر ہمارے بزرگوں کی یہ منشا تھی۔ تو اس سے بہتر اور کوئی ثواب کا کام نہیں ہو سکتا۔

افسوس کے ساتھ تحریر کرنا پڑتا ہے۔ آج تو اُلٹی گنگا بہہ رہی ہے۔ آج کا مندر شوالہ ایسے ہاتھوں میں آگیا ہے۔ کہ ایشور ہی جانتا ہے۔ تمام جہان کے بھنگڑی گنجڑی ان اداروں کے کرتا دھرتا ہیں ان ہی کرتا دھرتاؤں کی بدولت یہ ادارے بدنام ہو رہے ہیں یہ لوگ ان قومی خزانوں کو اپنے باپ دادا کی جاگیر سمجھے ہوئے ہیں قوم اور ملک جائے بھاڑ میں ان مفت خوروں کو اپنی عیش و عشرت اور جلوے مانڈے کی فکر ہے۔ گئو جاتی کا نشان مٹ جائے انہیں کیا؟ یتیم، غریبوں کے در کھٹ کھٹائیں، ان ناتھوں گریوں، مہنتوں مٹھا دھاریوں کے رنگ میں بھنگ نہیں پڑنا چاہئے۔ اگر کسی نے خدا لگتی کہدی۔ تو یہ آگ بگولہ ہو گئے۔ ناستک۔ بے دھرمی جو کچھ بھی منہ میں آیا۔ بک دیا۔ کہاں تک لکھوں۔

تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو
دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

ایسے مندر موجود ہیں جن کی آمدنی لاکھوں کروڑوں تک ہے ماسوائے

چند افراد کے قوم اور ملک کو مجموعی طور پر رتی بھر فائدہ نہیں بلکہ انجان
اور سیدھے سادے مزدور کو بھگوان کے نام پر بدھو بنا کر لوٹا جا رہا
ہے۔ اس حالت میں ملک کی حالت بد سے بدتر ہوتی جا رہی ہے۔
نہ دیو کاریہ نہ پتر کاریہ۔
اگر کوئی فائدہ ہے تو ایسے مفت خور خیالی سورگ یا نرک کا
لالچ اور ڈر دینے والوں چور کپٹ ناتھوں کو۔

ہمارے تیرتھ استھان:-

اسی طرح ہمارے تیرتھ استھان ہیں
جن کا ماسوائے نقصان کے ملک کو کوئی خاص فائدہ نہیں مجھے ریاست کے
باہر ہردوار، کاشی دوار کا وغیرہ کے تیرتھوں میں جانے کا موقعہ ہی نہ ملا۔
اس لئے ان جگہوں کا مجھے کچھ بھی تجربہ نہیں کیوں کہ میں وہاں تک گیا ہی
نہیں۔ عام طور پر سُنا جاتا ہے۔ کہ وہاں بھی ہمارے دھرم پر لگائے
گئے سرمایہ سے وہاں کے مفت خورے پنڈا لوگ جائز و ناجائز ہر
طرح سے عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اگر سچ پوچھو تو یہ تیرتھ
و تیرتھ بھی بڑی حد تک ہماری ترقی میں روڑا اٹکانے کے موجب ہیں
میں بیان کر رہا تھا۔ کہ مجھے باہر کے تیرتھوں کا بہت کم تجربہ ہے البتہ ہماری
ریاست میں شری وشنو دیوی کٹڑہ کا بڑا مشہور تیرتھ استھان ہے۔
لاکھوں کی تعداد میں ہر سال یاترا آتے اور لاکھوں روپے کا چڑھاوا بھی
چڑھتا ہے اور ہزاروں کی تعداد میں حرام خور پرورش بھی پاتے ہیں۔

ایک دو بار مجھے یہاں جانا پڑا۔

ایک بار تو تب گیا جب میں ابھی بچہ ہی تھا۔ اس وقت میری حالت بڑی عجیب تھی۔ قدم قدم پر سنبھل سنبھل کر چلنا تھا۔ اور ایک ایسا ڈر دامنگیر تھا۔ کہ میری ناجائز حرکت سے دیوی ماں کے درشن دینے سے انکار ہو جائے۔ کیوں کہ وہاں کے پنڈا لوگ و دیگر کٹڑہ نواسی اسی قسم کی من گھڑت کہانیاں سُنا سُنا کر سادہ لوح انسانوں کو دیوی ماں کا سچا شواسی بنا لیتے تھے۔ دوسری بار گیا جب میں تمام نشیب و فراز کو بخوبی سمجھ سوچ سکتا تھا۔ صرف اسی وقت کے کچھ حالات قلمبند کرتے ہیں۔

جموں سے گاڑی میں روانہ ہو کر تقریباً دو گھنٹہ بعد کٹڑہ پہونچ گیا یہاں میری رشتہ داری بھی ہے۔ میں انہی کے گھر جا کر ٹھہرا۔ بوقت شام ایک دوست میرے پاس آیا اور کہنے لگا چلو پنڈت جی تھوڑی دور سیر کر آویں۔ میں نے کہا یار کہاں کی سیر کروانے ہو۔ اس نے خشک لبوں پر زبان پھیر کر گھونٹ کو نگلتے ہوئے کہا۔ کہ آج آپ کو شری جگناتھ پوری کو درشن کروا لاتے ہیں۔ میں نے بھی پاپوش پہنا اور اُن کے ساتھ ہو لیا۔ ابھی ہم پچاس قدم بھی نہ چلے ہوں گے کہ میرا ہمراہی ایک مکان میں داخل ہوا۔ اور مجھے بھی اندر آنے کے لئے اشارہ کیا۔ اندر داخل ہو کر جو کچھ وہاں دیکھا میری حیرانی کی کوئی حد نہ رہی باقاعدہ ایک اچھے پیمانہ پر شراب خانہ نظر آیا۔ دس پندرہ آدمی بیٹھے جام پر جام انڈیل رہے تھے۔ ماس کی پلیٹیں سجی تھیں۔ یعنی وہاں وہ

تمام سامان موجود تھا جو ایک بڑھیا قسم کی بار یا ریسٹورینٹ میں موجود ہونا چاہیئے۔ مجھ سے رہا نہ گیا۔ میں نے کہا یار تم کہاں سے کہاں لے آئے ہو۔ کیا یہی جگناتھ پوری ہے۔ اُس نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ ہاں! ہاں یہی جگن ناتھ پوری ہے اگر کل یہاں سے گئے تو شری بدری کے آشرم کے بھی درشن ہو جائیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ پریہ جگناتھ برہمن ہے۔ اسے جگناتھ پوری کہتے ہیں۔ اور دوسرے کا بدری ناتھ برہمن ہے اُسے ہم بدری کا آشرم سے موسوم کرتے ہیں۔

میرا دوست تو شراب پینے کا عادی تھا۔ اور کبھی کبھی میں بھی شوق کیا کرتا تھا۔ اپنی عادت پوری کر کے ہم دونوں ڈیرے پر واپس آ گئے دوسرے دن صبح ماتا کے درشن کے واسطے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ کٹڑہ سے روانہ ہوئے۔ راستہ میں دل ہی دل میں خیال آیا کہ زمانہ کس اور جا رہا ہے اور ہم لوگ ... میں نے پر خاموشی کو توڑتے ہوئے اپنے دوست سے پوچھا! بھائی کیا یہ شراب خانے سرکاری طور پر کھلے ہیں۔ اُس نے ہانپتے ہوئے کہا کہ آ... دھ... کواری... آدھ... فرلانگ... رہ گئی ہے... وہاں ہاتھ ہلاتے ہوئے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا چڑھائی چڑھنے لگا۔ سانس میرا بھی پھول گیا تھا۔ میں نے بھی چپ سادھ لی۔ اور خیالوں کی دنیا میں کھو گیا لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا میں بھی چڑھائی چڑھنے لگا۔

ادھو کواری تقریباً ۳۲۰۰ ہزار فٹ کی بلندی پر بہت اُ سُندر مقام ہے میرے دوست نے اپنی جھنڈلی ایک طرف جمالی۔ اور جھٹ جیب سے چلم اور چرس نکالتے ہوئے بولا۔ بم بھولے، لگے دم مٹے غم، کرائے دنیا کھلائے ہم۔ ایک دو منٹ میں دھوئیں کے گولے چلنے شروع ہو گئے۔ چلم سے لاٹ انکال کر دھوئیں کا غبارہ منہ سے نکالتے ہوئے بولا۔ ہاں! اب کہو کیا بات ہے۔ اب میں ہر بات کا جواب دینے کے لئے تیار ہوں — تو آپ نے پوچھا تھا کہ یہ ٹھیکے سرکاری طور پر کھلے ہیں۔

تو شریمان پنڈت جی مہاراج! اس نگری میں کسی کا ٹھیکہ ٹھا کا نہیں۔ یہاں تو دیوی ماں کی کرپا سے سب کا اپنا اپنا ٹھیکہ ہے۔ دوکاندار یاترا کے دنوں پیاز و تمباکو دوکان پر نہیں رکھتے۔ تاکہ یاتری سمجھیں کہ یہاں کے سب لوگ ادیشٹو ہیں۔ اگر ضرورت ہو تو گھر سے منگوا کر اور چھپا کر دیتے ہیں۔ اسی طرح ماس بیچنے والا بھی ہر دوکاندار سے پوچھ لیتا ہے۔ کیوں پنڈت جی پرساد نہیں لو گے۔ اگر کسی کی مرضی ہوتی ہے تو خفیہ بولی سے آدھ گز یعنی آدھ سیر کہہ دیا۔ تو وہ سب کے گھروں جنہوں نے کہا ہوتا ہے دے آتا ہے۔

اگر یہاں کے لوگ مندرجہ بالا چیزوں کے لین دین میں چوری کی عادات رکھتے ہیں۔ تو ناجائز شراب کی چوری بھی چوری نہیں کہلاتی اس کا تو کہنا ہی کیا۔ جیون امرت ملتا ہے۔ اور سمجھا جاتا ہے۔ تب ہی تو

دیوی ماں کے چرنوں میں بسنے والے پچیس فیصد بھگت شراب گنگ ملنگ ہیں۔ جرس کے خمار میں اس نے جھومتے ہوئے کہا شراب ... یہاں جیسی شراب فروخت ہوتی ہے۔ سب ناجائز طور پر ہی ہوتی ہے اس جگناتھ پوری اور بدریکا آشرم کے علاوہ بہت سے مقام ہیں جہاں شراب بکتی ہے۔ ان سب میں زیادہ کام ان دونوں کا ہی ہے ان دونوں جگہوں پر بتیس تینتیس بوتل شراب روزانہ فروخت ہوتی ہے۔ یاترا کے دنوں میں تو کام اور بھی تیزی پر ہو جاتا ہے۔ اس پہاڑی و دیگر نواح کی پہاڑیوں پر رہنے والے ٹھاکر اور دوسرے لوگ تقریباً یہی کام کرتے ہیں۔ ٹھیکیداروں کے کنستر ان مقاموں پر پہنچا دیتے ہیں۔ مجھ سے چپ نہ رہا گیا۔ میں نے کہا بھائی اس طرح کھلے بندوں ناجائز شراب کے باوجود تیرتھ استھان ہونے کے یوں بھی سخت ممانعت ہے۔ سرکار کی طرف سے اس ناجائز فروخت کو کوئی نہیں روکتا۔ اس نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ منع کون کرے گا؟ یہاں سرکار کی طرف سے چند پولیس کنسٹیبل اور آفیسر چوکی پر مامور ہیں۔ ان کی لاہ رسم بندھی ہوئی ہے۔ ہر ایک شراب بیچنے والا کنسٹیبل کو آٹھ آنے یومیہ اور اگر شوق کرنے والا ہو۔ تو شراب بھی نوش کروا دیتا ہے۔ ان دونوں کا کام چالو رہتا ہے۔ سرکار جائے بھاڑ میں، یہی گپ شپ لگاتے ہوئے تقریباً شام ہونے سے پہلے ماتا کے دربار گئے۔ میرا ساتھی بھی عجیب کھوپری کا مالک تھا۔ نہ تو اپنا شغل کیے بغیر کہاں چین لینے والا تھا۔ تھوڑی سی کوشش سے شراب

وہاں بھی دستیاب ہو گئی۔

شغل پورا کرنے کے بعد وہ تو اپنا حصہ لینے کے لئے چلا گیا اور میں الجھنوں کی اُدھیڑ بن میں لگ گیا۔

میرا دوست بھی اس چڑھاوے کا حقدار تھا۔

ایک گھنٹہ کے بعد مستی میں جھومتا ہوا اور کچھ بڑبڑاتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ کیوں پنڈت جی آپ ابھی تک یوں ہی بیٹھے ہوئے ہیں۔

ارے ادھر آ کوڈو کے نیچے لا ادھر... لال... پری اور جھٹ انڈیل دی گلاس میں

لو! پنڈت جی ... پیو... اور جیو۔

خیر ختم ہوا معاملہ جو بوتل میں تھا۔

میں نے مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے کہا تو پنڈت جی آپ کو کھتا مال بن جاتا ہے۔ خاک بنے گا مال۔ سارے شریک بہت ہیں ہیں گھروں پر ہماری باری کی رقم یا چڑھاوا تقسیم ہوئی ہے۔ مزا ہے اُن ٹھکروں کو جن کی ایک ایک کی باری ہوتی ہے کم از کم ۲۰ یا ۳۰ ہزار روپے سالانہ آمدن ہوتی ہے۔ مگر حرام کا مال حرام میں جاتا ہے۔ وہ چار ماہ کے اندر اندر یہ روپیہ جوا، شراب اور بدفعلی میں ختم ہو جاتا ہے۔

ان واقعات کے تحریر کرنے کا یہی مطلب ہے کہ اب ہمارے تیرتھ استھان اور تیرتھوں پر رہنے والے لوگ کدھر جا رہے ہیں مل جل کر جو چڑھاوا نقد و سونا چاندی وغیرہ ہم لوگ چڑھاتے ہیں۔ وہ تقریباً

انہی نیک کاموں میں خرچ ہو رہا ہے۔
کچھ چور کو مور جیسے اشخاص چڑھاوے سے پہلے ہی ہاتھ صاف
کر لیتے ہیں۔ غرض کہ جیب کترے، اٹھائی گیر، چور، اُچکے، ان ہی ستھانوں
پر گذارہ کر رہے ہیں۔ اور ان مندرجہ بالا اشخاصوں کی خواہشوں کو پورا
کرنے والی شراب کی بھٹیاں دن بہ دن بڑھ رہی ہیں۔ خماری میں ہڈی
کو چوسنے کا لطف بے زبان پشوؤں کا دھڑا دھڑ قتل عام ہو رہا ہے
اور پیٹ کی بھوک مٹ گئی۔ مگر ....
ہوس کی بھوک ....
کسی بھی طریقے سے پورا کرنے کے لئے آمادہ ہوتے ہیں۔ اور
ہوس کی بھوک جی بھر کے مٹا لیتے ہیں۔ اور مٹا رہے ہیں۔ کسی کی بھوک
کا ناجائز فائدہ اٹھا کر اپنی بھوک مٹانے والے جانور انہی جگہوں پر زیادہ
تر اپنے اڈے رکھتے ہیں۔ صبح اٹھا سیر کرنے چل دیا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی
ہوا نے دماغ کو معطر کیا۔ آنکھوں نے اونچے اونچے پہاڑوں کا نظارہ
کیا۔ ؎ مگر دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے (غالب) ٹھنڈی اور ہلکی ہلکی ہوا
میں میرا دل گھبرا گیا۔ ماں کے چرنوں میں راکشش نظر آئے۔ یاں گنگا سوکھ
گئی۔ شراب گنگ بہہ نکلی میں اس میں بہہ گیا۔ میرا سارا ملک بہہ گیا۔ جدھر
جاتی ہے آگ لگاتی ہے۔ مگر مجھے چین نہ ملا۔ میرا دل متواتر گھبراتا رہا
جتنی دیر گاڑی میں نہ بیٹھ گیا۔ جموں پہنچنے پر میں نے ایک مضمون ایک
ہندو اخبار کو برائے اشاعت دیا۔ جس کا عنوان تھا۔ کہ ویشنو دیوی میں کیا

دیکھا۔ وہاں دیوی وغیرہ تو روپوش تھیں البتہ بھیڑ بکریوں کا راج تسلط ہو
ہوا ہے نہ غیرہ وغیرہ ....
لیکن اُس ہندو اخبار کے ایڈیٹر نے اس مضمون کو شائع نہ کیا
کیونکہ ایسے واقعات سے ہندو تیرتھوں اور ہندوؤں کی بدنامی ہوتی
ہے۔ میرے دماغ میں طرح طرح کے خیالات آنے لگے۔ کبھی
خیال آتا کہ یہ وہی پہاڑی ہے جہاں سے چند روز یا سال پہلے
دودھ کے مٹکے آیا کرتے تھے۔ اور آج شراب خانہ خراب ہم
کتنے اندھ وشواسی ہیں۔ لاکھوں روپے دان کی صورت میں تیرتھوں
وغیرہ پر خرچ کرتے آئے ہیں لیکن کبھی غور نہیں کرتے آیا کہ اس
سرمایہ سے فائدہ ہو رہا ہے۔ یا نقصان۔
خیر ان باتوں کو یہیں خیر باد کہا جائے۔ بہتر ہے۔ اصل مضمون
تو دھرے کا دھرا رہ گیا۔ ان تیرتھوں وغیرہ میں چلنے پر بھی جانے
پر بھی میری بے چینی میں اور پریشانی میں کچھ زیادتی ہی ہوتی گئی ہیں۔ پھر
نہ ہی گہری سوچ وچار کہ جتنا روپیہ درگا کے نام پر یا تر دو چڑھاوے
کی صورت میں صرف کرتے ہیں۔ اگر اُس سے آدھی رقم بھی تعمیری
پروگراموں پر خرچ ہوتی تو یہاں کے لوگ مالا مال ہو جاتے یہ دان
اور چڑھاوے کا پیسہ ماسوائے بے کاری اور بدکاری پھیلانے
کے اور کچھ بھی نہ کر سکا۔ میرے خیال میں اگر ملکی اور قومی مفاد کو بالائے
طاق رکھ کر اگر مذہبی مفاد یعنی گئو رکھشا اس کی نسل سدھار پر ہی صرف

ہو۔ تو بھی بڑا فائدہ ہو سکتا ہے لیکن جو کچھ اس دوران کے پرتاپ سے اس علاقہ میں بیکاری اور حرام خوری و دیگر خرابیاں پھیلی ہیں۔ خدا کی پناہ دن بدن بہا ماں کے ارد گرد کے دیہاتوں کی آج وہ درد شا ہوگئی ہے قابل رحم ہے۔ یہاں کہ لوگ صرف تین ماہ یاترو میں لوٹ کھسوٹ کا کام کر کے ۹ ماہ بیکار پڑے رہتے ہیں۔ یاترو تو دروازے سے شری دیشنو دیوی کے گن گان کرتے آتے ہیں۔ لیکن یہاں کے لوگ ناجائز آمدنی کی وجہ سے شری مان بھیرو جی کے بھگت بنے جا رہے ہیں۔ نیز ان جھگڑوں سے میرا کیا واسطہ میرے آنے سے جھگڑے ہی ختم ہونے میں نہیں آتے۔ میں تو دل کی شانتی کی تلاش میں یہاں کچھ امید نظر آتی ہے ٹکریں مارتا پھرتا ہوں۔ لیکن ہوں قسمت کا پٹیا۔ اُلٹا لینے کے دینے پڑتے ہیں۔ جوں جوں علاج کیا مرض بڑھتا گیا۔ دانی کے دربار سے بھی خالی ہاتھ آیا اب کیا کیا جائے۔ اسی سوچ میں ڈوبا تھا۔ کہ خیال آگیا۔ تو راترو ں کے دن نسبے یہاں رام ناٹک کی تیاری ہو رہی تھی۔ میرے چند دوست کلب میں کام کرتے تھے۔ انہیں کی بد ساعت لے سیں بھی کلب میں داخل ہو گیا تو اب کا ثواب اور دیگی کئی طرح کے سوانگ بھرے یہاں کے حالات تفصیل میں قلمبند کرنے کی ضرورت نہیں۔ ان کاموں پر بھی جتنا روپیہ خرچ کیا جاتا ہے بس یہ کا سب بے فائدے جاتا ہے۔ یا کلب سے چند ایک ممبر یا کمیٹی کے کرتا دھرتا فائدہ

اٹھا لیتے ہیں۔ غرض کہ خود غرضی جو کہ ہندو قوم کی لادرعلت ہے یہاں بھی اس نے پیچھا نہ چھوڑا۔ میں نے اُن حالات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کئی بار اپنے ساتھیوں اور وہاں کے کرتا دھرتاؤں سے التجا کی کہ ہر سال آپ بھگوان رام کے سوانگ بھر بھر کر پھولتے اور ہر سال ہی تماشہ پھرا دکھاتے ہیں۔ اس سے تو یہی بہتر ہے کہ آپ [illegible] دنوں یہی چندہ کا سرمایہ لگا کر رامائن، مہابھارت، گوروگرنتھ گیتا، آدمی کے دوہے، چوپائیاں، اشلوک وغیرہ کے پمفلٹ مختلف زبانوں میں چھپوا کر اور دیہاتوں میں جا کر اپنے دکھی کسان بھائیوں میں اپنے دھرم کا پرچار کردیں جیسے عیسائی دھرم کے ماننے والے بڑے دنوں میں اسی دھرم کا پرچار کرتے دیکھے گئے ہیں۔ یا یہ کھیل تماشے دیہاتوں میں جا کر ایک ایک دن ایک ایک جگہ کئے جائیں۔ لیکن طوطی کی آواز نقار خانے میں کون سنتا ہے سچ ہے غریب ہونا بھی ایک پاپ ہے۔ اگر غریب آدمی ایک اچھی سے اچھی بات بھی کہے تو بھی اس کو جوتے ہی پڑتے ہیں یہی حال میرا ہے۔

میرے ہی تیر کمانے گئے تھے دل بہلانے
اچھا دل بہلا مفت کی سردردی مول لی۔ اسے کہتے ہیں قسمت

کا

بنائی کمر ہو گیا دلیا۔ کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔ کدھر جاؤں

کیا کروں ، آج تک یہاں کہیں بھی جھک ماری اتنا ہی کھیل ملا۔ انہی الجھنوں
میں پھنسا ہوا تھا۔ کہ انہیں دنوں جموں میں کیرتن کا بڑا زور شور تھا۔
باہر سے ایک مہاتما آئے ہوئے تھے میں نہیں کہہ سکتا کہ ان
کا خیال کیا تھا۔ اچھا تھا یا برا۔ ہاں ڈھولک باجہ کھڑتال اور کئی طرح
کے ساز باجوں کے ساتھ رام بھجو اور کرشن بھجو کی امرت بانی سے
ہری نام کی ورشا ہو رہی تھی۔ استریاں پرش ، مرد ، بالک سبھی ساز
اور سنتور کی تاریں جھوم رہے تھے مجھے بھی ایسی چیز کی تلاش تھی
جتنی دیر یہ کیرتن ہوتا رہا میں بھی شامل ہوتا رہا۔ کچھ دن تو خوب پریم
برستا رہا۔ آخر وہی ڈھاک کے تین پات۔ کیرتن کے اندرونی رخ
نے میری سچائی کا دیوالہ نکال دیا۔ آنکھوں سے آنکھیں لڑ رہی ہیں اور
کیرتن بھی ہو رہا ہے۔ دل نے کہا ارے مورکھ تو یہاں کیا ڈھونڈنے
آیا ہے جسے تو ڈھونڈھتا ہے۔ وہ کبھی ڈھونڈھنے سے نہیں ملا۔
دل نے کہا . . . . .

وہ تو ہر جگہ موجود ہے اور یہ لوگ اس کی تلاش میں یہاں نہیں
آئے۔ انہوں نے اپنے دل کا چین و قرار ڈھونڈھ کر ساتھ رکھا
ہوا ہے۔ یہ لوگ گھر سے ہی جوڑے بن کر آتے ہیں۔ ہمیں ان
کی برائی بھلائی سے کیا واسطہ ، ان باتوں کو یہیں ختم کرنا مناسب ہے
البتہ مجھے کیرتن کا طریقہ عبادت پسند آیا دل میں خیال پیدا ہوا کہ بلا
باہر مارا مارا پھرنے سے اپنے گھر میں بیٹھ کر کیرتن کر لیا کروں ۔

زیادہ نہ سہی گھڑی دو گھڑی بھر ہی دل بہلانا ہو جایا کرے گا۔ اس لئے میں گوپال کرشن کی مورتی اور دیگر مورتیاں مسیح صاحب اور گورو نانک کی مورتیاں اپنے مکان کے چھوٹے سے کمرے میں جسے ہم ٹھاکر دوارہ کہا کرتے ہیں استھاپن کر کے روزانہ صبح و شام کھڑتال اور ایک تارا کی مدد سے کیرتن اور ناچنا شروع کر دیا ایسا کرنے سے دل بھی لگنا شروع ہو گیا۔ کچھ دنوں اس پرانے مرض دبے چینی سے چھٹکارا رہا لیکن یہ بھی ایک عارضی شغل تھا۔ دراصل اُپاسنا یہ بھی نہیں ہے۔ یہ بھی ایک بہلاوے کی چیز ہے ایسا کرنے سے بھی دیس اور جاتی کو کوئی فائدہ نہیں میرا وہی پرانا مرض بے چینی . . . . جاگ اٹھا۔ نئی تلاش شروع ہو گئی۔ اتفاق کی بات سمجھو یا اعمال یا کیرتن کا پرتاپ۔ گؤشالہ کی ایک گاؤشالہ کا منیجر بنا دیا گیا۔ اور میں دراصل کوئی ایسا ہی پروگرام چاہتا تھا کہ جس سے اپنا من بھی چین پائے۔ اور جاتی کا بھی کلیان ہو۔ یہ میرا ایک خیالی پلاؤ ہی رہا۔ اس گؤشالہ کا نام تھا مہابیر دل گؤشالہ جس وقت مجھے اس گاؤشالہ کا چارج ملا تھا۔ وہاں نہ چارہ نہ دانہ صرف بیس راس گاؤ پشو ضرور تھے۔ چارج ملتے ہی کئی طرح کی خیالی سکیمیں دماغ میں دوڑنا شروع ہو گئی۔ کہ اس گاؤشالہ کو ڈیری فارم میں تبدیل کر دوں گا اور دودھ کی ندیاں بہا دوں گا جس سے میرے دیس کے سوکھے ہوئے بچوں کے شریر پھر سے ابھریں۔ میرے شیخ چلی والے

منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ چند دنوں میں ہی معلوم ہو گیا کہ یہ گاؤشالہ بھی ایک بکھیڑا ہی ہے۔ اوپر ذکر کیا گیا ہے گاؤشالہ میں ماسوائے بیس راس پشوؤں کے ایشور کا نام ہی تھا۔ نہ چارہ، نہ دانہ، نہ پیسہ ناظرین سوچتے ہوں گے۔ کہ ایسی ؤشالہ میں جانور کیا کھاتے ہوں گے۔ کھانا کیا تھا ..... بھوک کے مارے جانور جن میں بچھڑے بچھڑیاں بوڑھے بیل ر بیمار گائیں تھیں۔ دیکھنے والے کو ترس آئے بغیر نہ رہتا تھا بے سے بیساختہ نکل جایا کرتا تھا۔ کیا ہی اچھا ہوتا۔ کہ یہ بھوک سے ب تڑپ کر مرنے والے جانور اُن جلاّدوں سے ہی نہ یائے جاتے۔

بھوک سے مرنا سب موتوں سے بری موت ہوتی ہے طرح ترس ترس کر مرنے کی بجائے جلاّد کے ایک وار سے ختم ہو جاتے کتنا بہتر تھا۔ یہ گاؤشالہ تو بوچڑ خانے سے بھی تر ہے۔ میں نے کئی بار دہاں کے کرتا دھرتوں سے ان تمام قعات سے آگاہ کیا۔ لیکن اُن کے کان پر جوں تک نہ رینگی م واقعات تفصیل دار تحریر کرنا اصل مضمون کو طوالت دینا ہے صرف نا تحریر کر دینا واجب ہے۔ کہ گاؤشالہ دراصل کیسے چیز تھی۔ یہ ؤشالہ بھی چند ایک خود غرض ہندو نوجوانوں نے ایک قسم کا زگار بنا رکھا تھا۔ تمام لوگ جانتے ہیں کہ اس ہندو دیا سے بھی گاؤ

مال ذبح کرنے کی ممانعت ہے۔ اس لئے پنجاب کے دانی سی
عام طور پر جنیپی بھائی بہت سا مال بوچڑوں سے کار ثواب سمجھتے
خرید کر اسی ریاست میں بھیج دیتے ہیں۔ اس وقت بھی یہی حال
جتنے جانور علاقہ انگریزی سے ریاست میں داخل ہوئے ا
جماعت یعنی مہابیر دل کے ذریعہ ہی دوسرے لوگوں میں بل
جاتے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس گاؤشالہ سے پشو
کرنے کے لئے دان دکھشنا کی صورت میں کچھ نہ کچھ رقم مق
تھی۔ اور طریقہ کار اسی طرح جاری تھا۔ کہ جتنے پشو گاؤشالہ میں داخل
جاتے۔ آدھے مقرری لے کر خواہش مند اصحاب کو دئے
گاؤشالہ کا دراصل ذریعہ آمدن دراصل یہی تھا۔ یوں تو ڈو نکر ر
ہوئے تھے۔ جو صندوقچیاں لے کر بھیک مانگ لایا کرتے
پشوؤں کو دیتے اور بھیک کی آمدنی سے تھوڑا بہت چارا
چل جاتا۔ کچھ نوکروں کی تنخواہ بن جاتی۔ اور بچا کھچا آپس میں
جاتے یا نی کی صورت میں تقسیم کر لیتے صاف بیانی تو یہ
زیادہ تر تعداد جانوروں کی وہاں ہی پہنچ جاتی۔ جہاں سے وہ
گئے ہوتے ہیں۔ کیوں کہ بوچڑ لوگ ریاستی زمینداروں کا بھیس
گھات لگائے جانوروں کے پیچھے ہی چلے آتے ہیں۔ کیوں
کام فائدے کا ہوتا۔ اول تو وہ جانور جو انہوں نے ہی دانی اد
ثواب کے دلالوں کے ہاتھوں بچاس یا ساٹھ روپے میں

یا ہوتا۔ انہیں بڑی آسانی سے دو چار روپے میں دان دکھشنا دیکر
صل ہو جاتا ہے۔ انہیں جیسا بندہ منیجر تھا۔ ایک ایسا واقعہ درپیش
یا تحریر کرتے بھی شرم محسوس ہوتی ہے۔ واقعہ یوں ہے چودہ
راس گائیں چند ایک ہندو نوجوانوں نے جو کہ اس دل کے ممبر
تھے دیدہ دانستہ یا اتفاقیہ طور پر بوچڑوں کے پاس مبلغ -/۵۵
روپے میں فروخت کر دیں۔ یہ مال یہ لالہ بیلی رام گوپال داس جیسی
لے نے سیالکوٹ سے بھیجا ہوا تھا۔ بوچڑ دوبارہ اسی مال کو سیالکوٹ
لے گئے۔ دانی سجنوں نے مال شناخت کر لیا۔ بیچارے والوں
و شک گذرا کہ ہو نہ ہو یہ مال

انہوں نے پولیس میں رپورٹ درج کروا کر بوچڑوں کو معہ مال
معہ ...ہ گرفتار کروا دیا۔ بوچڑوں نے اپنے بچاؤ کی خاطر اصل رسید
مبلغ -/۵۵ روپے جو ان نوجوانوں سے بوقت خرید حاصل کی تھی پیش
کر دی۔

قصہ کوتاہ اصل ملزم جنہوں نے گائیں بوچڑوں کو فروخت کی
تھیں عدالت منصفت صاحب جیجوں سے ان پر مقدمہ چلا۔ ممکن تھا کہ
یہ لوگ سزا پا جاتے لیکن ہندو سماج کے کرتاؤں نے اس معاملہ
پر خاک ہی ڈالنا بہتر سمجھی۔ اور تمام کاروائی کچھ سبھا کی مہربانی سے اور
کچھ پولیس کی مہربانی سے رفع دفع کر دی گئی۔ اس واقعہ نے میرے
دل پر بہت برا اثر کیا۔ کیا یہی ہماری گاؤ بھگتی ہے کیا یہی ہمارا ہندو پن

ہے اس واقعہ سے مجھے کچھ لابھ بھی ہوا۔ اور پتہ چل گیا کہ جس طریقہ
سے آج ہندو جاتی گاؤ جاتی کی رکھشا کرنی چاہتی ہے۔ یہ طریقہ
چند ایک لولی لنگڑی اور بیمار گائیں رکھ کر ایک گاؤ شالہ قائم کرنا
وقت اور سرمایہ دونوں کی بربادی کرنی ہے۔ تو اس سے تو یہ
بہتر ہے کہ عمدہ نسل کی گائیں رکھ کر ہندو جنتا کو دودھ مکھن وغیرہ
بہم کیا جائے۔ اور اسی آمدنی سے جانور بھی پالے جائیں۔ کا
کا کار اور ثواب کا ثواب اس خیال کو میں نے کئی بار ہندو سماج
کے روبرو پیش کیا۔ کہ اگر تمہیں گاؤ ماتا سے اپنا ہی پیار ہے
ان کو بیوپار کے طریقے یعنی گوجروں کی طرح پالو تبھی گاؤ رکھشا
کا سوال حل ہو سکے گا۔ لیکن:۔

ہندو! ایشور کو بھی من مرضی کا کھلونا سمجھنے والے مجھے پاگل سمجھنے لگے
اور کئی تو مجھے برا بھلا کہہ کر کہنے لگے۔ کہ ہم اونچی ذات کے برہمن
کھشتری گوالوں کا نیچ کام کریں۔

کتنے افسوس کا مقام ہے گوپال سادھو کا پجاری ہو۔ گوپالن جیسے
اُتم کام کو نیچ سمجھتا ہے۔ بس یہی تھا اور میرا خیال، بغیر سرمایہ میرے
تمام ارادے ریت کی دیوار کی طرح مسمار ہو گئے۔

مقدمہ کی تحقیقات

اس سے پہلے جو دو راس گائیوں کا ذکر کیا گیا ہے جو مبلغ ۵۵ روپیہ

میں دل کے ایک ہمیرے بوچڑوں کے ہاتھ فروخت کی تھیں اس بارے
میں اس پر مقدمہ چلا اس مقدمہ کی پوچھ تاچھ کے سلسلہ میں بحیثیت منیجر
ہمراہ پولیس و دیگر کارکنان گاؤ شالہ برائے شناخت چمڑا مردہ بیل مجھے
سیالکوٹ جانا پڑا۔ وہ تمام حالات بتانا از حد ضروری ہیں۔ کیونکہ ان حالات
میں سے چند ایک نر و مادہ بوچڑوں نے پولیس کے چھاپے سے
پہلے ہی ذبح کر دئے ہوئے تھے۔ پہلے دن تو اُن کے یعنی بوچڑوں
کے گھر سے باہر ہی چمڑے کی شناخت کروائی گئی۔ لیکن دوسرے دن
میں اکیلا ان کے گھر پہونچا اس راز کو جاننے کے لئے میرے دل
میں اک آگ کا طوفان اُٹھ رہا تھا۔ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا دروازے
کو کھٹکھٹایا اندر سے آواز آئی چلے آؤ: وہاں ایک عمر رسیدہ بوچڑ بیٹھا
ہوا حقہ پی رہا تھا۔ میں نے جاتے ہی سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیتے
ہوئے بڑے مودبانہ لہجہ میں مجھے بیٹھنے کو کہا۔ میں کرسی پر جو وہاں
موجود تھی بیٹھ گیا اور بڑے اطمینان کے ساتھ بوڑھے میاں سے گذارش
کی بڑے میاں جو کچھ عرض کروں یا دریافت کرنا چاہوں سچ سچ بتانا
آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔ اس نے جواباً کہا کہ ولائتے چمڑا کے بارہ میں
نہیں۔ آپ کے دھندا کے بارے میں
بوڑھا حیران ہو گیا میں اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو تاڑ
گیا۔ اور اپنے مقصد کو دہرایا۔ کہ آپ کا یہ کام کیسے چلتا ہے۔ اول
وہ ذرا بچا۔ سب سے یہ سنتا ہے کب اور کہاں سے دستیاب ہوتا

ہے اور کن کن طریقہ کار سے مال حاصل کرتے ہو۔ اور اس چوری چکاری کا کام چلانے میں کن کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے درا صل سوال کرنے میں میری یہ غرض تھی کہ یہ لوگ ریاست سے مویشی کیسے نکال لاتے ہیں جب کہ حکومت وقت کی طرف سے گاؤں مال کی نکاسی کے لئے اتنی سخت پابندی عائد ہے۔ کہ اگر ایسا فعل کرتا ہوا کوئی پکڑا جائے اور جرم ثابت ہو جائے تو نہ جانے تین سال سے کم جیل کی ہوا کھائے بغیر خلاصی ہونا مشکل ہے

بڑے میاں نے حقہ کو گڑگڑاتے ہوئے کہا یا بوجی اتنا کچھ پوچھ کر تم کیا کرو گے بے کار وقت گنوانا ہے اگر کچھ پوچھنا ہی چاہتے ہو۔ تو ایک شرط پوری کرنی ہو گی۔ میں نے کہا وہ کون سی ایسی شرط ہے آپ بتائیں اگر پوری کرنے والی ہو گی تو ضرور پوری کر دوں گا۔

اس نے کہا بھائی آپ نہ جانے ریاست کے کوئی سرکاری آدمی ہوں اور ہمارے تمام راز ریاست سے گاؤں مال کی نکاسی کے آپ مہاراج کو سنا دو گے۔ تو ہمارا یہ کام دھندا چوپٹ ہو جائے گا۔

یہ بات سن کر مجھے اتنی ہنسی آئی کہ مارے ہنسی کے بات نہ کر سکا بمشکل ہنسی کو روکا اور دل ہی دل میں کہا کہ کہاں راجہ بھوج اور کہاں گنگو اتیلی۔

ہیں نے کہا بھائی ہمارے مہاراج بہادر کوئی چھوٹے موٹے
مہاراج نہیں ہیں جو ہم جیسے بھیک منگوں کی باتیں سنتے رہیں وہ تو
مہاراج، ادھیراج، راج راجیشور اور سرکار انگریزی سے کئی
طرح کے خطابات کے، سی، وی، ی، وغیرہ حاصل کئے ہوئے
ہیں۔ وہ تو جس کی آمدنی پانچصد روپے ماہوار سے کم ہو، بات تو
بات درشن تک بھی نہیں دیتے۔ تم ذرا فکر نہ کرو۔ یہ شرط تو خود بخود
پوری ہوئی جانو۔ اور آپ نے جو کچھ بتانا ہے بلا دریغ بتاؤ۔
بوڑھے نے خاص انداز سے لال لال مہندی رنگی داڑھی
پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ بھائی جیسے جو کام کرنا پڑتا ہے اس کے
نشیب و فراز کو دیکھنا پڑتا ہے ہمارا دھندا بھی بڑا عجیب و غریب
ہے ہمیں ملٹری کو بھی سپلائی کرنا پڑتا ہے۔ جہاں تہاں جیسے تیسے
مال ملے لانا پڑتا ہے۔
یہ دان سے چلانے والے آپ ہندو لوگوں کے گاؤ شالے
نہیں ہیں۔ مفت کے پیسے اور مفت ہی جائیں۔
بوڑھے کی اس قسم کی گفتگو سے اندازہ لگایا۔ کہ بوڑھا میاں
تمام واقعات بتانے سے احتراز کر رہا ہے۔ کیوں کہ اس وقت
گاؤ شالوں کا ذکر بے موقعہ ہے اس لئے میں نے کہا مجھے تمام
باتیں پوچھنے سے کوئی خاص مطلب بھی نہیں ہے۔ یوں ہی شوقیہ
دریافت کر رہا ہوں۔ اگر بتانا نہیں چاہتے تو چلا جاتا ہوں۔ میں اٹھ

کر چلنے کو تیار ہی تھا۔ کہ بوڑھے میاں نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور کہا
بابو آپ کیوں جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ کیا ناراض ہو گئے
میں نے جواباً کہا۔ میاں میں تو آپ کے بیوپار کے سلسلہ میں
پوچھ تاچھ کر رہا تھا۔ آپ نے ہمارے دھرم کے اداروں کے
بارے میں ادھر ادھر کی کہنی شروع کر دی۔ بھلا میاں گاؤ شالہ کے
ذکر کی کونسی ضرورت آ پڑی تھی۔ بوڑھا کھل کھلا کر ہنس پڑا اور اپنی گنج
چاند کو کھجلاتے ہوئے بولا۔ آپ ہندو ہیں آجتک آپ لوگوں نے
ہمارے مقابلہ میں نام نہاد جس میں نہ دانہ اور نہ چارہ بھیک اور دان
پر چلنے والے گاؤ شالے کھڑے کر کے اس مفید جانور کو لاکھوں
بلکہ کروڑوں روپے خرچ کر کے بچانے میں کوئی کسر باقی رکھی چھوڑی
ہے۔ میں سچ کہنے کا عادی ہوں سچ بات تو یہ ہے کہ اس سے
آدھا سرمایہ بھی صحیح معنوں میں بیوپار کے طریقے پر خرچ ہوتا تو
ہمارے بوچڑ گری کے دھندے کا کب سے دیوالہ نکل جاتا آپ
اپنے گریبان میں منہ ڈالیں آپ بھی تو اسی قسم کی گاؤ شالہ کے منیجر
ہیں آپ نے تجربہ کر لیا ہوگا۔ کہ بیوپار چلانے کی خاطر جائز و ناجائز
طریقہ اور قرض لے کر بھی اپنا کاروبار چلانا ہی پڑتا ہے۔ لیکن آپ
کے گاؤ شالے چند ایک لولے لنگڑے اور بیمار جانور جس سے
کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ رکھ کر اس مفید جانور کو بچانے سے قاصر
رہ جاتے ہیں۔ ہاں جوش میں آکر کچھ سرمایہ دار کچھ سرمایہ ایسے اداروں

چلانے کی خاطر دان کر دیتے ہیں جب تک یہ سرمایہ امداد کرتا رہتا
ہے کام چلتا رہتا ہے اور بعد میں چوسر چوپٹ اس لئے دان کا پیسہ
بیوپار پر لگے ہوئے سرمایہ کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ دان کا پیسہ جوہڑ
کی طرح ختم ہو جاتا ہے اور بیوپار پر لگا ہوا سرمایہ چشمہ کے پانی کی
طرح ابلتا ہوا اپنی ترقی آپ کرتا چلا جاتا ہے یہ ایک کھلا ہوا راز ہے
کہ جو چیز اپنی امداد یا اپنے پاؤں پر کھڑی نہیں ہو سکتی وہ بہ شکل مردہ
ہے ایسے ہی گاؤشالوں پر لگا ہوا سرمایہ مفت کا ہوتا۔ اور مفت میں
ہی ناکارے جانوروں کی پرورش کرنے میں ختم ہو جاتا ہے موجودہ
طریقے پر چلنے والے گاؤشالے فضول نہیں تو اور کیا ہے آپ
سمجھدار ہیں۔ ذرا سوچیں تو آپ کو خود بخود پتہ چل جائے گا جب یہ
دان کے سرمایہ سے چلنے والے گاؤشالے چالو ہوتے ہیں اور
بہت سے ہیں ان اداروں سے آج تک آپ کی قوم اور اس مفید
جانور کو کہاں تک فائدہ ہوا ہے۔ میرا مطلب کہ کتنا دودھ مکھن
گھی اور پنیر وغیرہ بازار میں روزانہ آکر فروخت ہوتا ہے اور گائے
کی نسل کا کیا سدھار ہوا ہے۔ بس وہی چند ایک لولی لنگڑی اور ناکارہ
گائیں جن کو ویٹرنری ڈاکٹر بھی ذبح کرنے کے واسطے پاس نہیں کرتا وہی
جانور ایسی گاؤشالاؤں کی زینت بڑھاتے ہیں۔ اس لئے میں نے
گاؤشالاؤں کا ذکر کیا تھا۔ اور آپ نے سمجھ لیا کہ میں عیان۔ بوجھ کر
آپ کے دھرم کے کاموں میں دخل دے رہا ہوں۔ شاید آپ

اسی وجہ سے ناراض ہو گئے تھے اور جو کچھ آپ دریافت کرنا چاہتے
ہیں بتانے سے گریز کر رہا ہوں ہیں اس کا جواب سنکر کچھ شرمندہ
ہو گیا۔ کیونکہ جو کچھ اس نے کہا بالکل سچ تھا۔ اور سولہ آنے سچ
اگر ہندو صحیح طریقے پر گوجروں جیسا کام کرنے تو کوئی مشکل کام نہ تھا کہ
گائے ماں کا سنکٹ ، دور ہو جاتا لیکن یہ ہندو جاتی جو کام کرتی ہے سب
تماشے میں سے بوڑھے میاں سے کہا کہ اس جھگڑے کو یہیں ختم
کرو۔ اور اصل بات کرو۔ بوڑھے نے حقہ کا کش کھینچتے ہوئے کہا بابو
باتیں کرنے میں بہت وقت لگے گا۔ اگر سننا ہی چاہتے ہو تو دل
لگا کر سنو۔ میں گیا ہی اسی کام کے واسطے تھا۔ بھلا دل لگا کر کیوں نہ سنتا

بوچڑ کا بیان

بوڑھے نے مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے کہا کیا آپ نے
یہی پوچھا تھا کہ ہمارا دھندا کیسے چلتا ہے بھائی جیسے دوسرے
قصاب پہاڑوں یا دیگر جگہوں سے بھیڑ بکری وغیرہ شہروں
میں لاکر آپ لوگوں کو مہیا کرتے ہیں۔ اسی طرح ہم بھی یہاں سے نفع
مند سودا ملتا ہے وہیں سے مال خرید لاتے ہیں۔ پنجاب کے ہندو
یا مسلمان زمینداروں سے ہمیں بہت کم مال دستیاب ہوتا ہے
البتہ شہروں سے دودھ سوکھے پشو تمام کے تمام نہیں تو آدھے
سے زیادہ ہمارے ہی ہاتھ لگتے ہیں۔ یا زیادہ سستا اور فائدہ مند

سودا آپ کے پروہتوں اور ڈھونگوں سے ملتا ہے۔ میں پروہتوں اور ڈھونگوں کا نام سنکر حیران و شرمندہ ہو گیا۔ دل میں سوچنے لگا کہ بھلا یہ ہندو اپنے پشواؤں کے ہاتھ کیوں کر بیچ دیتے ہیں

بیچ دیتے ہیں کیوں کر انہیں بھی تو دان میں مفت پشو مل جاتے ہیں۔ 'مالِ مفت دلِ بے رحم'

میری حیرانی کو توڑتے ہوئے بوڑھے نے اپنا بیان پھر شروع کر دیا۔ آپ حیران کیوں ہو گئے کیا پروہتوں اور ڈھونگوں کا نام سُنکر۔ شاید تم بھلے آدمی معلوم ہوتے ہو ذرا غور سے سنو ہم کئی طرح کے ڈھونگ کھیل کر اپنے ایجنٹوں کی معرفت جو کئی طرح کے بھیس بنا کر کوئی زمیندار نہ کوئی اور کوئی سادھو کا سا بن کر شہروں اور قصبوں میں پھیلے ہوئے ہیں وہی مال خریدتے ہیں۔ آپ شاید پروہتوں اور ڈھونگوں کا نام سُنکر حیران ہوئے تھے۔ کہ یہ لوگ ہمارے پاس اپنا مال کیوں کر بیچ دیتے ہیں۔ بھائی ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ اگر ہم ہتھکنڈوں سے کام نہ لیں تو اپنا کاروبار کیسے چلے۔

میں نے ٹوکتے ہوئے سوال کیا کہ آپ دھوکا دے کر ہی اپنا اُلو سیدھا کرتے ہیں۔

مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے دھیمی آواز میں یوں مخاطب ہوا۔

ہنہیں . . . ہنہیں۔ ایسا ہے بھی اور نہیں بھی۔

انہیں جان کاروں کی ضمانت پر ہم دوسروں کو بھی پھنسا لیتے ہیں

اس کی گفتگو کو رد کرتے ہوئے میں نے کہا بزرگوار کیا آپ من گھڑت کہانی تو نہیں سنا رہے ہیں۔

دادا: نہ ہ ہندو ہو کر آپ کے ہاتھ اپنے گاؤں پشو کو فروخت کر سکتا ہے بوڑھا مسکراتا ہوا کہنے لگا بابو! ایسا مت خیال کرو ہمارا روز کا دھندا ہے آپ کے کہنے پر ہی تو صحیح حالات بتا رہا ہوں آپ بخوبی جانتے ہیں اکثر ہندو گئو کے دان کو بڑا متبرک دان تصور کرتے ہیں۔ اور کوئی ایسا موقعہ نہیں مثلاً تیرتھ یاترا کے بعد یا وفات کریہ کرم آدھ برسی، برسی، چوبرسی اور برتوں کے موقعوں پر ہی تمہارے دادی لوگ رسم کو پورا کرنے کی خاطر نکمے اور خورد سالہ بچھڑیاں پروہتوں، ڈکوتوں اور اچارجیوں کو کار ثواب جان کر دان کر دیتے ہیں۔ اور ایسا دان کرتے وقت اس کے ساتھ کچھ پارچات اور برتن و نقدی کی صورت میں بھی کچھ نہ کچھ ضرور ہوتا ہے۔ یہ ہی لوگ لالچ میں آکر دان اٹھا لیتے ہیں جانور کو خوراک چاہئے۔ وہ لوگ ایسے نکمے جانوروں کی پرورش نہیں کر سکتے لاچار ہو کر فروخت کر دیتے ہیں۔

ایک بات اور بھی ہے کہ یہ دان خور سے عام طور پر بھنگڑی گنجڑی اور افیومچی زیادہ ہوتے ہیں۔ اور ان میں کوئی کوئی وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ شراب پینے کا بھی عادی ہو گیا ہے۔ اپنے اخراجات پورے کریں یا سوکھے سڑے جانوروں کی پرورش کریں بعض دفعہ ہر ایک بچاس روپے کا پشو لئے ہوئے نشے کی تار کو پورا کرنے

کی خاطر دس یا بارہ روپے میں ہی ہمارے ایجنٹوں کے پاس جو اسی
گھات میں لگے رہتے ہیں۔ فروخت کر دیتے ہیں اور ہمارے ایجنٹ
یہ مال دیہاتوں میں جمع کرتے رہتے ہیں۔ جب کافی تعداد میں یہ مال
اکٹھا ہو جاتا ہے۔ تو ہمارا آدمی جسے ہم ہیرو کہتے ہیں تمام مال دیہاتوں
سے ایک جگہ اکٹھا کر لیتا ہے وہی مال ہم سلسلہ وار حسب ضرورت شہروں
میں منگوا لیتے ہیں۔ کئی دفعہ ہمارے آدمیوں کو یہ کام یعنی ایک جگہ سے
دوسری جگہ مال راتوں رات ں کرنا پڑتا ہے سچ پوچھو تو جتنا خرچہ
ہے اس سے آدھے پشو ہم کی ریاست سے یہاں اتنی سخت
پابندی ہے خرید کر لاتے ہیں۔

خدا ہی جانتا ہے بڑی جان جوکھم کا کام ہے۔

اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے دل ہی دل میں سوچنے لگا
کہ یہ بوڑھا کہیں بھنگ تو نہیں پی بیٹھا آخر مجھ سے رہا نہ گیا تو میں نے
کہا۔ ارے میاں ذرا ہوش کی دوا کھاؤ۔ بھلا جس ریاست سے لگادی
مال کے نکاس پر حکومت وقت کی طرف سے اتنی کڑی پابندی
عائد اور ایسا جرم کرنے والے کے لئے ایسا قانون عائد ہو اور
اگر ایسا کرتا ہوا پکڑا جائے تو سات سال کے لئے جیل میں ٹھونس دیا
جاتا ہے۔ بوڑھے نے ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہوئے کہا کہ
ٹھیک ہے بابو جی جو کچھ آپ فرماتے ہیں صحیح ہے لیکن ہم ہزاروں
کی تعداد میں وہاں سے پشو لا چکے ہیں۔ کوئی پکڑنے والا ابھی تک ملا

[illegible] حقہ کا کش کھینچتے ہوئے پھر شروع کر دیا۔

سنو بھائی! ہم نے یا ہمارے ایجنٹوں نے حدود بندی پاس
پار رہنے والے ریاستی زمینداروں، ذیلداروں اور نمبرداروں سے
اچھی طرح میل جول پیدا کر لیا ہوتا ہے۔ دور دور سے مال خرید کر
لوگوں کے پاس اکٹھا کرتے رہتے ہیں وہاں سے آہستہ آہستہ
جیسا موقعہ ملتا جاتا ہے۔ مال حدودِ ریاست سے علاقہ انگریزی
میں لے آتے ہیں میں نے پھر سوال کیا کہ اتنی بڑی چوری اور
بے خبر۔ بابو جی آپ بھولے تو ہیں ہی میرا خیال ہے کہ آپ ا
بھی ہیں۔ میں نے پہلے ہی عرض کیا ہے ذیلدار، نمبردار، چوکیدار
مالدار۔ اور پٹروں کا پیادہ یہ سب کے سب باخبر ہوتے ہیں۔ ا
سب اچھی طرح جانتے ہیں، ان ہرے شاہی سکوں میں بڑی
کرامات ہوتی ہے۔ یہاں کسی طرح یا سفارش وغیرہ سے کام
نہ چل سکے وہاں ان کی جھنکار سب کچھ جائز ناجائز کروا دیتی ہے
ہم بیوپاری ہیں، ہمیں ہر قسم کے انسانوں سے واسطہ پڑتا ہے جب
وقت بن پڑے بھگانا پڑتا ہے۔ منت سماجت سے جیسے
تیسے ہو اپنا کام چالو رکھنے کے لئے کرنا ہی پڑتا ہے کئی بار تو کا
رقم صرف کر کے جان خلاصی کروانی پڑتی ہے۔ بھائی صاحب! کیا
کہوں بڑی چوکسی کرنی پڑتی ہے۔ تب ہی تو آج تک کام چل رہا
ہے۔ اور مال کی بھی کمی نہیں آتی۔ تقریباً ایک ہزار پونڈ بیف روزانہ

ملٹری کو سپلائی کرتے ہیں اور اسی مقدار میں دیگر لوگ بھی خریدتے ہیں
اکثر کام چل رہا ہے اور ہمارا بھی گذارہ ہو رہا ہے

بڈھے نے میری طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا کیا آپکی
پہاڑی گائیں اور کام بھی کیا آ سکتی ہیں۔ جو دن رات میں ایک سیر یا
تین پاؤ سے زیادہ دودھ ہی نہیں دیتیں۔ ہیں وہ گائیں تمہارے ہی
ساہوکاروں کی بدولت بڑے سستے داموں مل جاتی ہیں۔ وہ اس
طرح کہ شاہوکار اپنی غریب آسامیوں سے لین دین کے سلسلہ یا
جیسے تیسے اچھے بُرے پشو قرضہ کی ادائیگی میں لے لیتے
ہیں۔ وہی پشو فروخت در فروخت ہمارے ہاتھ آ جاتے ہیں سچ
پوچھو تو انہیں جانوروں کی بہترین طریقے سے اچھا دانہ وچارہ نسل
سدھار کرکے اس کو اس قابل دودھارو بنانے کا بندوبست ہو تاکہ
یہ پشو کم از کم پانچ چھ سیر روزانہ دودھ دے سکے۔ تو یہ زمیندار بھی مفلس
نہ رہتا تو کیا مجال تھی جو ہم لوگ ان بے زبانوں کا بال بھی بیکا کر سکتے
اس طرف آپ لوگوں کا تو دھیان ہی نہیں گیا۔ بلکہ بابوجی آپ لوگ
گائے کو صرف نمائشی طور پر دیوتا سمجھتے ہو۔ لیکن اس کی صحیح معنوں
میں پرورش کرکے اُسے دودھارو بنانے سے غافل ہو اگر تم
ایسا کرتے تو ہم لوگ تمہارے ہاتھ پر ہاتھ دھرے مکھیاں مارتے
نظر آتے۔ مگر اسی پہاڑی مال سے ہمارا کام جاری ہے۔ اگر پنجابی
مال پر کاروبار چلانا پڑتا تو ہماری ضمانتیں کب کی ضبط ہو جاتیں ہیں

اس کی تمام باتیں ٹکٹکی باندھے غور سے سنتا رہا اس بیچ مجھے ایک واقعہ یاد آگیا بوڑھے نے بیان کیا ہے کہ آپ کی بھاڑی گائیں اور کام ہی کیا آ سکتی ہیں کسی حد تک درست ہی کہا ہے۔ سال ۱۹۸۶ یا ۱۹۸۷ بکرمی تھا ان دنوں میری ڈیوٹی کٹھوعہ میں تھی۔ مالخانہ یعنی پھاٹک سرکاری سے نوراں بچھڑیاں بچھڑے اور گائیں صرف دس یا گیارہ روپے میں نیلام ہوئی تھیں۔ زیادہ سے زیادہ فی راس ایک روپے دو آنے قیمت ہوئی۔ بھلا جس ڈنگر کی قیمت بکری سے بھی چار یا پانچ گنا کم ہو وہ اور کیا کام آ سکتی ہے دل میں خیال پیدا ہوا۔ کہ یہ بوڑھا بھی بلا کا آدمی ہے کتنے پتے کی باتیں سنا رہا ہے۔ مجھے ایک بات اس وقت بڑے پتے کی سوجھی میں نے سوال کیا اے بڑے میاں، یہ مال آپ حدود ریاست میں کن کن جگہوں سے بآسانی نکال لاتے ہو۔ بوڑھے نے اپنا گنجی ناقد والا سر کھجاتے ہوئے شیخی بگھارتے ہوئے کہنا شروع کیا آپ تو اس طرح سوال کئے جا رہے ہو جیسے وکیل ملزم پر عدالت میں جرح کرتا ہے کہیں ہم پر مقدمہ تو نہیں چلانا چاہتے۔ میں نے ہنستے ہوئے اور یقین دلاتے ہوئے کہا۔ بابا آپ ایسا خیال دل میں مت پیدا کریں میں تو یونہی شوقیہ دریافت کر رہا ہوں کیوں کہ مجھے آپ کی باتیں سن سن کر اپنی جانی پہچانی پر بڑا افسوس ہو رہا ہے۔ اور ساتھ ساتھ مزہ بھی۔ بوڑھے نے کہا آپ شوقیہ ایسا کر رہے ہیں تو

میں نے شغلیہ ایسا کہہ دیا۔ دونوں ہنس پڑے اُن کے چہرے پر ہزاروں جھریاں ابھر آئیں اور ہنستے ہنستے کہنے لگا۔ اللہ قسم جہاں تک مجھے معلوم ہے سے لے کر منگلا مالی تک جتنی حدود ریاست علاقہ انگریزی کے نزدیک ہے ہم مال نکال لاتے ہیں کئی کئی سنگھوں پر حد بندی آپس میں اس قسم کی گڑبڑ ہوتی ہے کہ ریاست کا مال انگریزی علاقہ اور انگریزی علاقہ کا مال ریاست میں چرتا پھرتا ہے۔ اب صرف یہی پتا باقی رہ جاتا ہے۔ کہ کہاں کا مال کہاں پہونچتا ہے بیوپاری کھٹوعہ کے علاقہ کا مال تیجا پور، ہیرا نگر اور سانبہ کا مال چیک امر وسے تار دوال وغیرہ میں ارنیہ سے لے کر بٹھیال برہمناں کا مال سیالکوٹ، ہیرپور سدھر، منادر اور بھمبر کا مال گجرات اور دریائے جہلم کے پار یعنی کا مال جہلم اور راولپنڈی میں پہنچ جاتا ہے اور بس کسی جگہ کا نام دوں یہ سب کچھ سن کر میں نے ایک سوال اور کر دیا میاں آپ نے نہیں ذکر کیا ہے کہ ناقابل ذبح جانور بھی گئو شالاؤں میں پہنچتے ہیں۔ بھلا اس پر بھی کچھ روشنی ڈالئے آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔

بوڑھے نے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے کہا۔ بابو! ان بکھیڑوں کو سن کر کیا کرو گے۔ ان میں کیا رکھا ہے اگر سننا ہی چاہتے ہو تو یہ خوشی سنو ہم تو ایسا کرتے ہیں جب ڈاکٹر ناقابل ذبح بیمار بڈھے جانور نکال دیتا ہے وہ بھی کبھی کسی وقت ہی اکثر ان لوگوں سے بھی

ہماری راہ و رسم بندھی ہوتی ہے لیکن کبھی کبھی قانونی رسم و لحاظ کو پورا کرنے کی غرض سے ایسا بھی کرنا پڑتا ہے۔ بس یہ ہی نکمے اور بیمار نا قابل ذبح جانور جب کچھ تعداد میں ہمارے پاس جمع ہو جاتے ہیں انہیں نکمے جانوروں کو ہانک کر جینی یا دوسرے ہندو بازاروں سے لے گذرتے ہیں انہیں گؤ بھگتی کا جوش آ جاتا ہے خاص طور پر جینی بھائی بڑے رحم دل مانے ہوئے ہیں۔ ہمارا اُن کا سودا پک جاتا ہے۔ اور ایسے سودے میں ہم لوگ بہت فائدے میں رہتے ہیں۔ جہاں تک کہ جس جانور کو ذبح کر کے بمشکل تیس یا چالیس روپے حاصل نہیں ہوتے۔ اسی جانور کی قیمت ہم ان رحمدل ثواب کمانے والوں سے ساٹھ یا ستر روپے دوگنی قیمت وصول کر لیتے ہیں۔ اُن کے پاس بھی دان یا دھرماؤ کھاتے کے پیسے جمع رہتے ہیں۔ یوں ہی خرچ کر دیتے ہیں اب سمجھ گئے ہوں گے۔ یہ ثواب کے دلدادہ ہماری کتنی امداد کرتے ہیں یعنی آپ لوگوں کا دان بھی کسی حد تک ہمارے ہی کام کے چلانے میں کارآمد ثابت ہوتا ہے۔

مجھ سے نہ رہا گیا میں نے کہا میاں اس کا یہی مطلب ہوا کہ تمہارا اسلام چالو رکھنے میں ہماری ہی جاتی تمہاری امداد کر رہی ہے بڑھے نے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے کہنا شروع کیا 'بابوجی! ایک نہیں ہر طرح سے ہم لوگوں کو آپ لوگوں کا

ہی سہارا ہے چمڑے کا کاروبار، سپورٹ کا دھندا، عام طور
ہندو سرمایہ داروں کے سرمایہ سے چالو ہیں اس کا مکمل حال بعد
میں بتاؤں گا۔ بلکہ ہم کو اپنا کام جاری رکھنے کیواسطے روپے ہندو
ساہوکاروں سے ہی برداشت کرنا پڑتا ہے۔ یہ لالچ خور نیے
زیادہ سود کے لالچ میں ہمیں بہ خوشی قرض دے دیتے ہیں۔
بوڑھے نے میری حیرانی کو توڑتے ہوئے ایک عجیب قسم کا
قہقہہ لگاتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ ارے بابو تم بہت سیدھے
سادھے آدمی ہو۔ بنا جان پہچان کے بھی کوئی قرض دیتا ہے
ہائے لالچ بہت بُری بلا ہے۔ یہاں تمہارے ہندوستان
میں کچھ سیٹھ ایسے ہیں ماتھے پر تلک لگاتے ہیں مندر
بنواتے سادھو سنتوں کی سیوا کرتے ہیں۔ اور بڑے دھرماتما
گنے جاتے ہیں۔ اُن کا دھندا اسن کر آپ کے پاؤں کے نیچے
سے مٹی نکل جائے۔ ان کا دھندا ہے گائے کی زبانوں کو بیوپار
امریکہ اور انگلینڈ و دیگر یورپی علاقے والے لوگ گائے کی زبان
کے شوربے کو پسند کرتے ہیں۔ اصل ذکر تو باقی ہے ہم تو بازار کی
شرح سے تقریباً ڈیڑھ گنا یا دو گنا سود اور ادا کرنا پڑتا ہے
میں اس کی باتیں سن کر دل ہی دل میں کچھ شرمندہ سا ہو رہا
تھا کیا ہم میں ایسے انسان بھی ہیں ہاتھی کے دانت دکھلانے کے اور
کھانے کے اور۔ پریشان ہو رہا تھا میرے چہرے پر پریشانیوں

کے شگون کو تاڑتے ہوئے بوڑھے نے تمسخرانہ انداز سے پھر کہنا شروع کیا۔ ارے بابو کیوں پریشان ہوتے ہو۔ اس میں پریشانی کی کون سی بات ہے۔

روپے پیسے کمانے والے دھرم ایمان چنداں پرواہ نہیں کرتے انکو جیسے تیسے پیسے چاہئیں۔ ایمان دھرم جائے بھاڑ میں تمہارے بڑے بڑے دھوتی پوشوں نے ملٹری میں سرمایہ داروں کی خوشی سے بیف سپلائی کے ٹھیکہ جات لے رکھے ہیں اور بوٹوں کے کارخانے 75% ہندو ساہوکاروں کی بدولت ہی تو چل رہے ہیں اس کے علاوہ سپورٹ، بناسپتی گھی کے کارخانے بھی تو انہیں لوگوں کے بل بوتے کے محتاج ہیں۔ میں نے مزید دریافت کیا۔ سپورٹ، چمڑے کا دھندہ تو ہوا بھلا بناسپتی گھی سے اس جانور کو کیا نقصان پہنچتا ہے بوڑھے نے جواب دیا کہ یہ گھی بھی اس جانور کا ہی نقصان پہنچاتا ہے۔ مجھے زیادہ تو معلوم نہیں لیکن جہاں اس نیل نما گھی کے کارخانے جاری ہوتے ہیں وہاں سے ہمیں مال کافی سستا مل جاتا ہے اسی ہیرا پھیری میں وہاں جانا پڑتا ہے کیونکہ یہ گھی مونگ پھلی اور بنولا کے تیلوں کو سوڈا کاسٹک یا ایک اور دوائی کے برادہ کے ذریعہ سے صاف کر کے کچھ چربی وغیرہ کی آمیزش کر کے تیار کیا جاتا ہے۔ بعد میں مصنوعی گھی کی خوشبو دے کر بنتا ہے اصلی گھی کی نسبت بہت ارزاں پڑتا ہے اس لئے وہاں اصلی گھی تیار کرنے

والی مشینوں، پشو دھن کی ضرورت نہیں رہتی۔ اب تو آپ بخوبی جان گئے ہوں گے۔ زیادہ طول دینا فضول ہے۔ اب آپ کو کچھ چمڑا اور تندی کے بارے میں بتانا ہے۔ آپ امیر لوگ کردم اور کاف لیدر پہننا بہت پسند کرتے ہیں جس طرح یہ کردم اور کاف لیدر تیار ہوتے ہیں۔ اگر ان کی بناوٹ کا طریقہ سنو گے تو اور بھی حیران ہو جاؤ گے۔ اسی طرح عمدہ قسم کے وگیوں میں تندی استعمال ہوتی ہے۔ اسی تندی سے بنے ہوئے ریکٹ آپ رئیس زادوں راجہ مہاراجوں کے ہاتھوں میں شوبھا پاتے ہیں۔ جانتے ہو یہ تندی کیسے تیار ہوتی ہے۔ اس کی تیاری کا ڈھنگ بڑا ہی نرالا ہے۔ ہمارے جیسے رحموں کے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں دو یا تین سال کا بچھڑا یا بچھڑی جس کی پرورش اچھے طریقے سے ہوئی ہوا سے خوب کھلا پلا کر اس کے نتھنے اور منہ کو سی دیا جاتا ہے اس عمل سے اس کا پیٹ تنگی و تنفس سے پھول کر کپا ہو جاتا ہے تب اسے مار دیا جاتا ہے یا جانور خود بخود دم گھٹ کر مر جاتا ہے۔ ایسا کرنے سے آنتیں زیادہ طاقتور ہو جاتی ہیں۔ اور یہ ایک کھلا ہوا راز ہے ڈاکٹر لوگ بخوبی جانتے ہیں۔ کہ جس حصہ جسم میں زیادہ تکلیف ہو وہاں دوران خون زیادہ ہوتا ہے۔ وہی خون آنتوں میں جمع ہو کر آنتوں کو زیادہ مضبوط بنا دیتا ہے اگر اب بھی اس قسم کی تندی کی بناوٹ آپکو نہ سمجھ آئی ہو تو تمہیں کردم لیدر کی بناوٹ کی مثال دے کر سمجھاتا ہوں

زندہ اس طرح ہے۔ کرومَ چمڑا تیار کرنے کے واسطے عمدہ جانور کی کھال میں سوزش پیدا کی جاتی ہے پہلے پشو کو باندھ کر اس کا چمڑا ہنٹروں سے کوٹا جاتا ہے۔ مگر اب یہ کام مشینوں سے لیا جاتا ہے ایک ایک انچ زندہ جانور کا عضو ہنٹروں کی مار سے سوج جاتا ہے غرض کہ تمام بدن ضربات سے سوج جاتا ہے۔ اور اسی قدرتی اصول کے مطابق خون ضرب آلودہ جلد کی نچلی سطح پر کافی مقدار میں جمع ہو کر چمڑے کی اندرونی سطح کو غاتے دار اور لچکدار بنا دیتا ہے جب یہ عمل پایۂ تکمیل تک پہنچ جاتا ہے جانور کو ذبح کر دیا جاتا ہے۔ خون یہاں جمع ہوا ہوتا ہے۔ مرنے کے بعد وہیں سرد پڑ کر منجمد ہو جاتا ہے یہی طریقہ کروم لیدر کے تیار کرنے کا ہے۔ اور متذکرہ طریقہ سے تنادی تیار ہوتی ہے۔ یہی تنادی عمدہ قسم کے ریکوٹوں کی قیمت بڑھانے کا موجب ہوتی ہے۔

بھائی صاحب: دیکھئے بیوپار کے ہتھکنڈے پیسہ کمانے کی خاطر انسان کتنا بے رحمی کا کام کرتا ہے جیسی مارکیٹ کی مانگ ہو پوری کرنی پڑتی ہے۔ اب تو زندہ گائے سے مری ہوئی گائے زیادہ قیمت پاتی ہے۔ جب تک ہماری زندگی سے زندہ گائے کا تعلق رہا۔ تب تک گائے جاتی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا پر جب ہماری روزانہ ضروریات میں اپنے آپ مری ہوئی گائے کی بجائے قصابوں دوارہ ماری ہوئی گائے کا چمڑا چربی، خون اور

ہڈی کام میں آنے لگی ہے۔ آجکل ان چیزوں کا انگریزی تہذیب
کی مہربانی سے بہت زیادہ شوق بڑھ گیا ہے۔ اس لیے زندہ
گائے سے مری ہوئی گائے کا زیادہ مول ہو گیا ہے۔ اس کے
علاوہ جیسے ہم نے پہلے بھی بتایا ہے کہ بناسپتی گھی، دودھ
پاؤڈر، گھریلو دستکاریوں کے برباد ہونے اور افیون، چائے
تمباکو وغیرہ کی بڑھتی ہوئی کھیتی سے گاؤچر بھومی کے رک جانے
ان چیزوں سے بھی گائے کو بہت نقصان پہنچا ہے۔ پہلے
چمڑے کا اتنا زیادہ استعمال نہ تھا۔ لیکن اب تو چمڑا پاؤں سے
لے کر سر تک پہنچ گیا ہے۔ مہذب اور جنٹلمین کہلانے والے
امیروں کا کوئی ایسا گھر نہ ہوگا۔ جہاں بلا ضرورت درجنوں جوتے
(بوٹ و سینڈل) سوٹ کیس، اٹیچی کیس وغیرہ موجود نہ ہوں۔ موٹر
گاڑی کے گدے گھوڑا گاڑی کا سامان گھڑیوں میں باندھنے کے
فیتے ایسے ایسے سامان بنانے کی خاطر تقریباً 2520000 کھالیں
اس ملک میں تیار ہوتی ہیں۔ صرف 10344000 کھالیں غیر ممالک
کو جاتی ہیں۔ باقی کی سب یہاں ہی کھپت ہو جاتی ہے۔ کھالوں کے
علاوہ ہڈی، کھاد اور کھانڈ صاف کرنے کے لیے، چربی کپڑے
میں مانڈی لگانے کے کام، خشک شدہ خون چاہے کھیتوں میں کھاد
ڈالنے کے لیے، سینگوں سے چاقو، چھریوں کے دستے بنائے
جاتے ہیں۔ کھروں سے سریش جیسے جلاٹین بھی ہے کہتے ہیں ایسی

سرشیں سے کیپسول بنتے ہیں جیسیں کونین کو بے سود بنانے کی خاطر جو کہ بیماروں کو کھلائی جاتی ہے ان چیزوں کی مانگ دن بہ دن بڑھ رہی ہے ۔ان کے علاوہ غیر ممالک کی گوسلوں کی مانگ نے تو اس بے زبان کا خاتمہ کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی ۔اس بیوپار نے تو عمدہ سے عمدہ نسل و قیمتی گلے کو بھی نقصان پہنچا دیا جاتا ہے اچھی سے اچھی گائے کو بھی ذبح کر کے قصاب ہر حالت میں نفع مند رہتا ہے میں نے ایک طالب علم کی طرح اس کو استاد سمجھتے ہوئے کہا اب باتوں کی سمجھ تو آگئی ہے ۔لیکن یہ گوشلا کیا بلا ہے ۔

بوڑھے نے تقریر کو جاری رکھتے ہوئے کہا بابو جی یہ بلا چھلا کچھ بھی نہیں ہے ۔ یہ سب انگریزی راج و انگریزی تہذیب کے بیوپار کی کڑیاں ہیں کڑیاں کھاؤ پیو اور موج اڑاؤ

یہ گوشے صحیح تعداد معلوم نہیں ۔تقریباً اس قسم کی کھالیں غیر ممالک کو اور اتنی ہی اس ملک " سارے جہان سے اچھا ہندوستان میں خرچ ہوتی ہیں ۔میں نے سنا ہے اور شاید آپ نے دیکھا بھی ہوگا کہ میم لوگوں کے کوٹوں کے کالروں پر کچھ نرم نرم چیز لگی ہوتی ہے کہتے ہیں کہ یہ اسی قسم کا چمڑا ہوتا ہے اس کے علاوہ گوشلوں سے ٹوپیاں دستانے ہینڈ بیگ اور دوسری قسم کی ، نازک اندام گوری اور کالی میموں کے لئے چیزیں تیار ہوتی ہیں ۔

میں پہلے ہی اتنا پریشان تھا ۔کہ اور پریشان ہو گیا اور رونگٹے

کھڑے کر دینے والے واقعات سُن کر میرا سر چکرانے لگا۔ اس تھوڑے
سے وقفہ کی بے ہوشی نے میرے دماغ پر باپو کے اُن الفاظوں
نے تسلط جما لیا جو وہ اکثر کہا کرتے تھے۔

"کپڑے" جسم چھپانے کے لیے، سردی گرمی سے جسم کو
بچانے کے لیے ہیں نہ کہ فیشن دکھانے کے لیے؟ آج تو ہر
بات میں فیشن ہی فیشن ہے۔ میں نے ایسی بہت سی نکمی باتیں دیکھی
ہیں۔ اور یہ سوچ کر من میں دُکھ ہوتا ہے کہ کیا ہماری تہذیب کا ناس
بہنیں ہی کریں گی۔

میرے دل اور دماغ پر چند لمحے گزرا ہوا اثر بوڑھے میاں کو
بھی پتہ نہ چل سکا کیونکہ وہ خود داڑھی میں پھنسی ہوئی جوں کی تلاش میں تھا
جو کہ اس کے دل میں سکون پیدا نہ کر رہی تھی اس لگن میں گُم تھا۔ اور جھٹ
میرے اس کی طرف دیکھنے پر بڑبڑایا ہاں تو میں کہہ رہا تھا سنا
ہے گوشتوں کے بیوپاریوں کو بڑا فائدہ ہوتا ہے۔ یوں تو یہ
گوشتے حاملہ بھیڑ بکری کو ذبح کر کے اس کے پیٹ کے بچے کے چمڑے
سے بھی حاصل کرتے ہیں لیکن عمدہ قسم اور پائیدار و خوبصورت ۷ یا ۸
ماہ کی حاملہ گائے کو ذبح کر کے حاصل ہوتے ہیں پہلے تو صرف انگو
فرنگین ہی اس قسم کے کالروں والے کوٹ پہنا کرتی تھیں مگر آج
کل تو آپ جیسے سیٹھ ساہوکاروں کی بہو بیٹیوں نے بھی ایسا کرنا شروع
کر دیا ہے۔ اور انہیں فرنگیوں کی طرح اپنا رہن سہن بنا لیا ہے اس

۔ ہئے اس ملک میں گوشلوں کے چمڑے سے بنی ہوئی چیزوں کی مانگ کافی سے زیادہ ہوگئی ہے بابو جی ان کا بھی کیا قصور ہے جیسا فیشن ہو کرنا ہی پڑتا ہے باقی رہی کاف لیدر کی بات وہ بھی دو سالہ بچھڑے کے چمڑے کو کہتے ہیں ان چیزوں کے علاوہ ایک قسم کا رنگ حاصل کرنے کے لیئے بھی اس بے زبان پر ظلم ڈھایا جاتا ہے وہ اس طرح گذر ہئے لوگ پیوری نام کا پیلا رنگ حاصل کرنے کے لیئے گائے کو صرف آم کے پتے کھلانے کو دیتے ہیں۔ دوسری اور کوئی چیز نہیں دیتے۔ بلکہ پینے کو پانی تک نہیں پلاتے۔ بے چاری گائے بھوک اور پیاس سے تڑپ تڑپ کر مرجاتی ہے۔ موجودہ مذکورہ یالا بیوپار اس جانور کے لیئے از حد خطرناک ہے۔

نہ بوڑھے نہ جوان نہ بچھڑے نہ بچھڑیاں نہ دودھ والے نہ دودھ سوکھے اور نہ ہی گابن۔ ہر قسم کے جانوروں کو ذبح کر کے نفع کمایا جا رہا ہے۔ اگر ان سب باتوں کو تفصیل وار بیان کرنے لگوں تو آپ اکتا جانے کے علاوہ کئی ہفتے سیالکوٹ میں رہو گے اب شام ہو رہی ہے آپ نے بھی کہیں ٹھکانہ کرنا ہو گا۔ اس لیئے آپ ابھی تشریف لے جائیں اگر اور کوئی بات دریافت کرنی ہو گی تو کل پھر دس بجے کے بعد آجانا۔ میں بت بنا اس کی طرف دیکھتا رہا چپ چاپ اٹھا ابھی قدم نہ بڑھا تھا کہ بوڑھے میاں پھر بول پڑے ابھی سورج غروب ہونے میں ایک آدھ گھنٹہ ہے گاڑی تو سورج

غروب ہونے کے ایک گھنٹہ بعد آتی ہے جانے میں ابھی بہت دیر ہے ہاں ایک بات بطور یادداشت عرض کئے دیتا ہوں میں نے پہلے بھی اشارۃً کئی بار ذکر کیا ہے اگر ہندو لوگ اسے صحیح معنوں میں بچانے کی خواہش رکھتے ہیں۔ تو وہ ایک ہی طریقہ ہے یعنی اقتصادی بیوپار کا طریقہ کافی سرمایہ لگا کر وسیع پیمانہ پر ڈیری فارمیں اور ڈرائی کیٹل فارمیں جاری کریں۔ زیادہ سے زیادہ دودھارو بنانے کی خاطر نسل سدھار کے لیے ادارے بنائیں دودھ گھی مکھن پنیر وغیرہ کی پیداوار بڑھائیں۔ دیکھو بابو اب ہی پنجاب یا برطانوی ہندوستان سے۔ اصلی گھی بھی یہاں نہیں ملتا ہے پہلے تو کافی تعداد میں ملجاتا تھا۔ اب کیوں نہیں ملتا یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ گھی کے بیج جانور ہی کافی تعداد میں مارے جا رہے ہیں۔ اس لئے ایسا ہوا ہے اگر آپ کی جاتی کے سرمایہ داروں کو سمجھ ہوتی تو وہ ہم جیسے مارنے والوں کا مقابلہ بآسانی کرسکتے تھے۔ آج یہی سرمایہ دار اپنا روپیہ چمڑا وغیرہ کے کارخانے بنانے پر صرف کر رہے ہیں کیا وہ دودھ تیار کرنے والی ڈیری فارمیں نہیں بنا سکتے اس بزرگ کی باتیں سن کر خود اور اپنی گاؤ بھگت جاتی پر بہت رنج ہوا۔ دل و دماغ پریشان ہو اٹھا۔ آنکھوں سے آنسو کی خشک دھارا بہہ نکلی اور دل کی دھڑکن تیز ہوتی جا رہی تھی مجھ سے رہا نہ گیا۔ دل ہی دل میں اپنے آپ اور اپنی جاتی کو کوسنے لگا۔

بوڑھے نے کہا اچھا بابو! اب آپ نے . . .

"ہاں اب میں نے جانا ہے" دونوں ہنس پڑے نہ جانے کیوں ؟

میں نے آخری سلام کیا اس نے بھی جوابی الوداع کہی۔

"ہاں اب میں نے جانا ہے" دل و دماغ پوچھا گیا۔ دل کو سکون ملا اور میں لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا اسٹیشن پر پہنچا ساتھی انتظار میں تھے گاڑی بھی تیار تھی۔ گورنمنٹ ایکسپریس نے سیٹی بجی۔ پھک پھک کلاک پھک۔ دو گھنٹے کے اندر جموں پہنچ گئے۔ جموں پہنچنے کو تو پہنچ گئے مگر بوڑھے کی ملاقات میرے لیے ایک معمہ بن گئی کبھی اس کی صاف گوئی پر رشک آتا کبھی اپنی جیالی یعنی ہندوؤں کی نمائشی گاؤ بھگتی پر رنج آتا

اس گاؤ شالہ میں سمجھئے کیا تمام دنیا کی پریشانیوں کا پلندا ایک دم مجھ غریب کے سر پر دھر دیا۔ اس پرانے مرض کے چھٹکارے کی خاطر در در مارا مارا پھرا۔ لیکن بدنصیبی بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔

گاؤ رکھشا ایجی ٹیشن

میری پریشانی در کنار گائے کی دُردشا نے اور زیادہ پریشان کر دیا۔ میری حالت دن بدن بد سے بد تر ہوتی گئی

اب اپنی بیماری پریشانی کا کیا علاج کروں۔ آج تک جتنے علاج کیے
سب کا الٹا ہی اثر ہوا۔ ان ہی دنوں جموں میں گاؤ ایجی ٹیشن کے نام
سے ہندو سکھ نوجوان سبھا کی طرف سے ایک تحریک جاری ہوئی
دل میں کچھ ڈھارس بندھی۔ کہ اب تو اس کرشن پیاری گائے کا
کچھ نہ کچھ بن کے ہی رہے گا۔ چھتیس ۳۶ دن کی ہڑتال نے تمام ہی
ہندوستان میں ایک تہلکہ مچا دیا چنانچہ جموں میں ہندوؤں نے تمام
کاروبار بند کر دیا۔ ہر طرف گاؤ ماتا کی جے کا فلک شگاف نعروں
سے آسمان گونج اٹھا۔ عورتیں، مرد، بچے، بوڑھے، برہمن، کھشتری
ویش شودر غرض ہندو جاتی کا بچہ بچہ اس تحریک میں شامل ہو گیا
ہزاروں نوجوان گاؤ بھگت جیل میں ٹھونسے گئے۔ اس ایجی ٹیشن
کا مکمل حال تحریر کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے حکومت کی طرف
سے عورتوں اور بچوں پر لاٹھی چارج لوگ بخوشی برداشت کر رہے
تھے۔ اتنی پر امن تحریک نہ آج تک کوئی چلی نہ چلے گی۔ گاؤ ماتا پر
ہندوؤں کی اتنی اٹل شردھا دیکھ کر مجھے بڑی خوشی ہوئی انگریزی
علاقے میں نہ سہی ہماری ریاست میں ضرور سنی جائے گی۔ اور
چراگاہیں بنیں گی نسل سدھار ہوگا۔ آہا! اب تو ریاست بھر میں
دودھ کی ندیاں بہہ جائیں گی۔ کئی طرح کے خیالی پلاؤ پکا پکا کر خوش
تھا۔ لیکن چند دنوں کے بعد کرشن کانت مالوی ایڈووکیٹ کی
مہربانی سے کہیں جا کر ہڑتال کھلی۔ حکومت اور تحریک چلانے والوں

میں سمجھوتہ ہو گیا تب جا کر معلوم ہوا کہ یہ بھی لیڈری کے دلدادہ خود غرض ہندوؤں نے کھیل ہی بنا رکھا تھا۔ میری خیالی خوشی، دائمی غمی بنی جس کا مریض ہوں تبدیل ہو گئی اور خود غرض لوگوں نے گاؤ ماتا کے ٹکٹ پر اسمبلی کے چناؤ میں کسی نے اسمبلی کی ممبری حاصل کر لی کسی کو سرکاری ٹھیکیداری حاصل ہو گئی کسی کو لیڈری کی دم لگ گئی۔ غرض کہ نام دھار بے بندوں کے موٹے ہندو لیڈروں کی غرض پوری ہو گئی۔ اور جس کے نام پر اتنا کچھ ہوا اس کے لئے نہ چراگاہیں نہ چارہ نہ دانہ / نہ نسل سدھار۔ جس کے بل بوتے پہ ممبری ٹھیکیداری اور لیڈری ہاتھ آئی۔ اس کو ماسوائے بازار سے ڈنڈے کھانے کے کچھ نہ ملا۔ ہاں کمیٹی نے آوارہ گرد جانوروں کے واسطے ایک پھاٹک ضرور بنوا دیا۔ اس ایجی ٹیشن میں میرے اندازے کے مطابق صوبے بھر کے ہندوؤں کا تقریباً ۴۰ یا ۵۰ لاکھ روپیہ برباد ہوا ہوگا اگر کوئی سمجھ دار لیڈر ہوتا تو اتنے روپے اور کچھ گورنمنٹ کی امداد حاصل کر کے گاتے کے لئے کانی سے زیادہ بہتری کر سکتا تھا۔ آخر میں یہی کہنا پڑتا ہے کہ سوارتھ کے بندوں نے کام جاری کیا تو ان کا سوارتھ پورا ہو گیا۔

ناظرین کو یہ بتانا ضروری ہے کہ یہ ایجی ٹیشن کیوں جاری ہوئی اصل واقعات یوں ہیں کہ ریاست کا والی ہندو ہونے کے ناطے سے ریاست میں دفعہ ۲۹۸ رنبیر ڈنڈ بدھی قانون کے تحت ریاست

جموں و کشمیر میں کوئی شخص گائے ذبح نہیں کر سکتا۔ اس دفعہ کے تحت ایسا جرم کرنے والے کو اگر ثابت ہو جائے تو سات سال یا چھتی اس دفعہ کی رو سے سزا ہوتی ہو دی جاتی ہے۔ لیکن پنج نا اہل ججوں نے اس میں کچھ ترمیم کر کے ایسا فعل کرنے والے ملزم کو کچھ کم سزا رکھی۔ عام طور پر دوسری قسم کے جرم مثلاً قتل فوجداری وغیرہ میں بھی اکثر دیکھا گیا ہے۔ کہ عدالت اگر قصاص کی سزا ہوتی ہے تو اپیل کرنے پر سزا عمر قید میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ کئی بار بری بھی ہو جاتے دیکھے گئے ہیں۔ اصل بنا فساد یہی دفعہ ۲۹۸ میں ترمیم ہی تھی تو بھی کیا ہوا۔ برطانوی ہندوستان میں تقریباً ستر ہزار کے لگ بھگ گائیں روزانہ ذبح ہوتی ہیں۔ یہاں نہ کسی کو سزا ہوتی ہے اور نہ ہی اس بات کے لیے کبھی کوئی ایجی ٹیشن ہی ہوئی یہاں جو کچھ ہوا چند ایک من چلے خود غرض لیڈروں کے ہتھکنڈوں نے عوام کو بہکا کر اپنا الو سیدھا کر لیا۔ اور کچھ نہیں۔

دوران ایجی ٹیشن کئی قسم کے واقعات درپیش آئے لیکن ان میں دو واقعات قابل ذکر ہیں۔ ایک سچائی کی درگت دوسرا انگلے سے سلوک کا۔ ایک دن اس تحریک کے دوران میں بازار گیا ہڑتال تو تھی لیکن پھر بھی کافی رونق تھی۔ جلوس آتے گوپیاں بلبلاتے شیام "گاؤ ماتا کی جے ہو" دفعہ میں ترمیم کروانے والے ججوں کو نکال دو یا سزا دو۔ ایسا کرو۔ ایسا کے نعرے لگا ادھر سے اُدھر

چلے جاتے بازار تو بند تھا۔ لیکن جابجا شیلے بیٹھے تھے۔ آنے جانے والے جلوسوں کو چھلکے ہوئے چنے کھانے کو دیتے اور ٹھنڈا پانی پینے کو "بڑے سواری لگ دیئے چھوٹے جیلاں" کا گن گان کرتے۔ اس وقت ایک قسمت کی ہیٹی گائے جس کے نام پر اپنی قربانی ہو رہی تھی آ نکلی۔ آخر جانور جانور ہی ہوتا ہے اس نے بھی شیلے کی چنے والی ٹوکری میں منہ ڈالا ہی تھا کہ اتنے میں ایک والنیٹر جس نے گاؤ ماتا کے نشان والا جھنڈا اٹھا رکھا تھا آنکلا اس نے آتے ہی اپنے جھنڈے والا ڈنڈا اس زور سے اس کے تھوتھنے پر مارا کہ بے چاری کے ہوش بھول گئے۔ اور ایک دو ڈنڈے اس کی پیٹھ پر اس بے رحمی سے رسید کئے کہ ماں کا پیٹ زمین سے سمٹ گیا۔ اور اسے ایسا چکر آیا قریب تھا کہ وہ لڑکھڑا کے گر جائے لیکن تھی ذرا ہمت والی سنبھل گئی۔ کیوں کہ جبل ستھر کی گائیوں کو ڈنڈے کھانے کی کچھ عادت سی ہو گئی ہے۔ ان کی پرورش عموماً ڈنڈوں ہی سے ہوتی دیکھی گئی ہے۔ یہاں کچھ ایسا رواج ہے کہ دودھ دوہا اور بازار میں چھوڑ دیا۔ یہاں کے مویشی رکھنے والوں کے لیے عمدہ اور بہترین قسم کی چراہ گاہ بازار ہی تو ہے یہ بھوکے مویشی بھی کیا کریں کبھی اس دوکاندار کی بوری میں منہ ڈالا کبھی اس کی سبزی کی ٹوکری سے سبزی کھانے کی کوشش کی، ردی کا غذ چھترے جو کچھ بھی ملا تمام بھوک مٹانے کی خاطر چبا لیا اور ساتھ

ہی ڈنڈوں کی مار اس گئو کے بہنے کی دراصل وجہ یہ ہی تھی۔ کیوں وہ
بھی تو مار کھانے کی عادی ہو چکی ہے مجھے یہ نظارہ دیکھ کر اتنی ہنسی
آئی کہ روکے نہ رک سکی۔ اور ساتھ ہی میری آنکھیں آبدیدہ ہو گئیں۔
عجیب طرح کی تحریک ہے جس کے نام پر یہ شیش ننگے چنے اتنی قربانی
کرتے ہیں۔ لاٹھی چارج ۲۴-۲۴ گھنٹے دھرنا اور وہ بھی ایک مری
ہوئی گئو کے واسطے اگر اس کی ہی ایک جیتی جاگتی بہن نے
ایک مٹھی بھر چنے کھانے چاہے تو اس کی یہ درگت اس پر ہی
مثال صادق آتی ہے۔ کہ مرے ماں باپ کی شرادھ پر دودھ
کو مالپوڑے اور کھیر اور جیتے جاگتوں کو دھکے ہی حال اس ایجی ٹیشن
کا ہوا۔ بے شمار سرمایہ لا انتہا قربانی تمام ہندوستان کو حیران کرنے
والی پرامن تحریک، اس کا یہ نتیجہ۔ بے چاری گائے کو کچھ بھی نہ دلا
اس کے لئے نہ چراگاہوں کی مانگ نہ نسل سدھار کا مطالبہ اگر اس
وقت حکومت سے اس مطلب کے واسطے مانگ کی جاتی تو
حکومت بڑی خوشی سے ایسا کرنے کو تیار ہو جاتی اگر کچھ فائدہ ہوا
تو انہیں لیڈری کے خواہشمندوں کو ان دنوں دیس سیوک سردار
بدھ سنگھ جی نے ایک بیان دیا جس میں ان کا اصلی منشا یہی تھا
کہ ہندو مسلمان دونوں ملکر حکومت سے چراگاہوں کے لئے مشترکہ
مطالبہ کریں اور مل جل کر گاؤ جاتی کی بہتری کی سبیل سوچیں لیکن سچائی
کر دی ہوتی ہے۔ اسے کوئی سچائی پسند ہی بے غرض قبول

کرتا ہے عقیدی اور غربت کے بندوں کے لیے سچائی زہر قاتل ہوتی ہے ان بد خو ہندو لیڈروں نے اس بیان پر غور کرنا تو درکنار بری طرح ٹھکرا دیا۔ کیوں کہ اس میں ظاہراً طور پر ایک بات ایسی تھی جسے قبول کرنا ہندو جاتی کے لیے ناگوار تھی۔ انہوں نے اس بیان میں کچھ ایسا ذکر کیا ہوا تھا۔ کہ گاؤ بدھ نہ کرنے کا قانون تو ریاست میں نافذ ہے اس کی رو سے ریاستی مسلمان ایسا نہیں کر سکتا۔ لیکن ہندوستان کا مسلمان اگر اس کی گائے کسی قسم کی بیماری میں مبتلا ہو جائے جس سے جانبر ہونے کی کوئی امید نہ ہو یا کسی پہاڑ وغیرہ سے گر کر بہت زخمی ہو جائے اس کو حق ہے کہ اس کو ذبح کر کے اخراجات سے چھٹکارا حاصل کرے لیکن ریاستی مسلمان کو ایسی صورت میں بھی اس بیمار جانور کے اخراجات کا بوجھ اٹھانا پڑتا ہے۔ حکومت اور ہندو جنتا کو چاہیئے کہ غریب مسلمان کی مشکلات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس قسم کی چراگاہوں اور گاؤ شالاؤں کا انتظام کریں کہ جن میں مسلمانوں کے ناقابل جانور رکھ کر پرورش کیے جا دیں۔

اسی طرح کے چند فقرے اس بیان میں درج تھے اس وقت جوش آئے ہندو لیڈروں کو ناگوار گزرے اگر اس قسم کا مطالبہ حکومت سے کیا جاتا تو ضرور منظور ہو جاتا۔ لیکن ایسا کرتا کون! جس کے دل میں ماں کے لیے سچی محبت ہوتی۔ وہاں تو تمام کے تمام لیڈری

کے خواہشمند اور سٹیجوں پر کھڑے ہو کر دھواں دھار الفاظی تقریریں جھاڑ کر بھولے بھالے شہری اور دیہاتیوں کو ورغلانے والے ہی تھے۔ گائے کے لیے سچا سادھن کون کرتا بھگوان گوپال کرشن کی پرم پیاری بھارت کی ماں کے واسطے کون چراگاہیں اور دیگر نسل سدھار کی باتیں کرتا۔ ان مفت کے کرتا دھرتاؤں سے چندے کے لوٹے لیڈروں کو اپنی پڑی تھی۔ اس دھاندلی میں گائے کی کون سنتا رہی ڈھاک کے تین پات والی بات بن گئی۔ آج تک بنی ہوئی ہے۔ گوپیاں دلبھ رادھے شام کے نعروں میں مندروں کی دیواریں گونج رہی ہیں۔ اور لوگ گوؤ جنم اشٹمی پر سوکھی سڑی دبلی پتلی گائیں جو اکثر یہاں سے مندروں کے باہر یا اندر کھڑی رہتی ہیں۔ ہار پہنا کر، ٹیکا لگا کر، پیڑا کھلا کر، پاؤں کو چھو کر جنم سپھل کر رہے ہیں۔

شروع سے لے کر جو کچھ میں نے تحریر کیا ہے مندر، تیرتھ استھان، گوشالہ گاڈ ایکیٹیشن ان سب واقعات کے تحریر کرنے کی صرف یہی منشا تھی۔ کہ ہم جان جائیں جس راستے پر ہم چل رہے ہیں۔ کیا یہی راستہ بہتر ہے۔ یا اس میں کچھ تبدیلی کی بھی ضرورت ہے ابتدا سے آخر تک جتنے بھی واقعات مثلاً مناور، شیوالے ان کے ان کے پجاری اور بھگت تیرتھ استھان اور وہاں کے پنڈے لوگ یاتری۔ دانی، دان لینے والے برہمن سادھو وغیرہ

گاؤ شالائیں وہاں کے کرتا دھرتا اور گاؤ سیوا سمیتی کے بانی مبانی ان سے میرا نہ کوئی ذاتی اختلاف ہے اور نہ ہی کسی قسم کی رنجش اور جو کچھ بھی تحریر کیا ہے ذرہ بھر بھی مبالغہ آمیزی سے کام نہیں لیا گیا۔ تمام کے تمام واقعات میری آپ بیتی، سرگزشت کی ہی کڑیاں ہیں۔ مجھے ہندو دھرم اتنا ہی پیارا ہے جتنا اور ہندو بھائیوں کو صرف اس ہندو دھرم کی بنیاد گائے ہی کی بہتری کے لئے رکھی گئی ہے۔ جس کی رکھشا کرنے کے لئے ہمارے رشی منیوں نے جانیں تک قربان کر دیں۔ اور جس کا دکھ مٹانے کی خاطر راماین۔ مہابھارت گیتا اور وید آدی کا ہر ورق بطور شہادت ہے۔ کہ کملاپتی بھگوان نارائن سے سکھوں کو تیاگ، ماں کو رکھشا کے لئے مرت لوک میں اوتار دھارن کرنے کے لئے مجبور ہو جاتے ہیں۔ مہابھارت میں تو یہاں تک تحریر ہے کہ یہ گائے تینتس کروڑ دیوتاؤں کے رہنے کی جگہ ہے اسی خیال کے زیر اثر ہندو بھائیوں نہیں، نہیں تمام بھارت باسی کیا مسلمان، عیسائی، سکھ، بدھ سے پرارتھنا ہے کہ جب تک بھارت کی اصل ماں گائے کا اصل روپ میں پالن اور سدھار نہ ہوگا۔ تب تک بھارت اور بھارت کے نواسی سکھ نہیں پا سکتے مجھے کچھ ایسا خیال سا ہو گیا ہے یا یوں سمجھو کہ وہم سا ہو گیا ہے۔

میں نے قریباً قریباً تمام دھرم شاستروں کو بڑے بڑے

ہو گیہ پر شٹوں سے سنا اور خود بھی یہاں تک میری ناقص عقل ہے
پڑھا ہے اِن تمام دھرم گرنتھوں میں گائے کی بہتری ہی لکھی ہوئی
ہے۔ اور ہندو دھرم کے بنیادی اصول کو گاؤ رکھشا ہی بتایا گیا ہے دیگر
مذہبی کتب گوانک گائے ہی کیوں؟ نامی کتاب سے جو کچھ معلوم ہوا
کہ تمام ہندو جنتا اِن تین دیوتاؤں کو ماننے والی ہے برہما وشن
مہیش۔۔۔ اول برہما کو لیجئے آپکو وید رچیا مانا گیا ہے اور اسی
وید میں گوماتا کو جسطرح بیان کیا ہے سمجھدار انسان کو زیادہ سمجھانے
کی ضرورت نہیں منتر ملاحظہ ہو

प्रजा पीत

پورا شلوک نہیں لکھا لیکن اِس کا مطلب ہے بھگوان! گائیں دے
جنہیں پالکر ہم سکھی ہوں دوئم وشنو جی مہاراج جنہوں نے اُنکی رکھشا
کی خاطر اوتار دھارنے پڑے رامان اوتار ہوا ہی ایسے خاندان
میں جسکے بزرگوں نے گائے نندنی کی خاطر شیر کو اپنے جسم کا
ماس دینے سے بھی دریغ نہ کیا۔ پھر آئے شری کرشن جی مہاراج
وہ تو آئے ہی گوالا بن کر۔ اُن کا ارشاد ملاحظہ ہو

गावो

اِس کا ارتھ ہے ادھر اُدھر آگے پیچھے چاروں طرف میرے
گائیں ہی ہوں یہ خواہش تھی مادھو کی جس کی مورتی کی پوجا کرتے ہیں
آج کا ہندو فخر سمجھتا ہے کیا آج کے ہندو نے اُن کے اِس

سنہری ارشاد پر بھی کبھی دھیان دیتے ہوئے گوالانے کی کوشش کی ہے ؟ اگر ایسا ہوتا تو ہزاروں ہی نہیں لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں قصائیوں کے ہاتھوں چمڑے کے بیوپار کے واسطے نہ ماری جاتیں اسی طرح دوسرے مہاپرشوں نے بھی اس مفید جانور کی کافی تعریف فرمائی ہے ۔ مہارشی فرماتے ہیں

[illegible]

تمام سنسار کی دولت مندی کی جڑ صرف گائے ہی ہے اور گائے میں کوئی پاپ نہیں ہے ۔ گائیں ہی منشیوں کے لئے اناج اور دیوتاؤں کے لئے آہوتی کو گھی دیتی ہیں ۔ یہ تھے مہارشیوں کے اقوال ۔ کہاں تک تحریر کروں اس کے لئے کافی وقت لگا کر کتاب لکھی جائے تب بھی ختم نہیں ہو سکتا ۔ ایک نہیں ہزاروں پراچین گرنتھوں میں اس کے لئے کافی مثالیں موجود ہیں ۔ مہابھارت پران وغیرہ میں تو گائے کو تینتیس کروڑ دیوتاؤں کے رہنے کا مقام بنایا گیا ہے

خیر یہ بڑی دیرینہ باتیں ہیں آج سے کچھ دن پہلے سری گورو نانک دیوجی مہاراج و مہرشی دیانند جی نے بھی اس کے لئے کافی کچھ کیا ہے ۔ یہ بھی کا عرصہ کی بات ہے موجودہ دور کے پرم تیاگی ہندوستان کے اہنسا کے پجاری لنگوٹی بند شری باپو جی "مہاتما گاندھی" کا فرمان ہے ۔

"بھارت کا سکھ اور اس کی ترقی صرف گاؤ اور اسکی اولاد بیل کے

ساتھ یا واسطہ ہے اگر مجھ سے کوئی پوچھے تو گاؤ رکھشا ہی ہندو
دھرم کا بیرونی روپ ہے یعنی اس کی صحیح معنوں میں پالن ہی رکھشا
ہے جیسے گوجر لوگ کرتے ہیں۔ جو ایسا کرتا ہے وہی سچا ہندو ہے
پھر فرماتے ہیں۔ گئو رکھشا اور دودھ، دہی، مکھن کی زیادہ سے زیادہ
پیداوار سوراج سے بھی زیادہ ضروری سمجھتا ہوں۔"

شری مان پوجیہ پنڈت مدن موہن مالوی جی کا ارشاد ہے کہ اگر
گاؤ جاتی کو نہ بچا سکے تو تمام ہندوؤں کو نیست و نابود ہونے کے لئے
تیار رہنا چاہئے۔

شری ونوبا بھاوے جی فرماتے ہیں

بھارت ورش کسانوں کا ملک ہے گائے اور بیلوں کی اچھی
نسل اور حفاظت پر ہی ہندوستان کی کھیتی باڑی کا انحصار ہے لیکن
آج گائے کی حالت ہندوستان میں ان ملکوں سے بھی گئی گذری
ہے جن ملکوں کو ہل کا نام تک نہ آتا تھا ہمیں سب کچھ یاد ہے لیکن
کام الٹا کر رہے ہیں۔

شریمتی جانکی دیوی جی بزاز

گاؤ سیوا ہندو دھرم کا ایک ضروری حصہ ہے اگر اس وقت
ہم تمام دیش باسی مل کر اسے نہ بچا سکے تو ہمارا دھرم اور جیون دونوں
نشٹ ہو جائیں گے۔

شری گوبند بلبھ جی پنت ارشاد کرتے ہیں۔

کہ ہندو لوگ ہزاروں سالوں سے اسکو ماں کا درجہ دے
چکے ہیں لیکن آج یہ حالت ہے کہ بے چاری کی کوئی سدھ نہیں
لیتا یہ جنم سے لیکر مرنے کے بعد تک کی ساتھی مانی گئی ہے۔

دیس رتن سٹری بابو راجندر پرشاد جی کا قول ہے۔

کہ بھارت میں گوپالن سناتن دھرم ہے تمام ملکوں سے زیادہ
گائیں بھی اسی دیش میں ہی ہیں لیکن ان کی حالت اچھی نا ہونے کی کارن
دودھ کی پیداوار بہت ہی کم ہے جب کہ بھارت کے مقابلہ میں دوسرے
دیشوں میں گائیں کم ہیں لیکن اوسطاً دودھ زیادہ اس لیے ابھی سے
ہم کو ان کے پالنے پوسنے میں پورا دھیان دینا چاہیئے۔

اسی طرح سٹری شام پرشاد مکرجی، لالہ خوشحال چند
سردار داتا سنگھ نے اس جانور کی بہتری کے لیے بہت کچھ کہا
اور کیا یہ تو ہوئے بھارت کے رہنے والے نیتاؤں کے وچار
اب چند ایک دوسرے مذہب ملکوں کے سجنوں کے وچار
ملاحظہ ہوں۔

"کوئی بھی انسان یا ملک گائے کے بنا اعلیٰ ترقی نہیں کر سکتا
اس روئے زمین پر سب سے اچھی خوراک دودھ مکھن وغیرہ
گائے ہی پیدا کرتی ہے جس ملک میں بہترین اور دودھارو ہوتی ہیں
وہی ملک مذہب بنتا ہے زمین میں زیادہ پیداوار ہوتی ہے
دولت بڑھتی ہے زمیندار مقروض نہیں رہتے اور اچھے گوالے

ہی بہترین دماغ بنانے والے معمار ہیں (الیفانے ہننے)

گاؤ بغیر تاج کی مہارانی ہے اس کا راج ساری دُنیا پر ہے خدمت کرنا اس کا دھرم ہے اور جو کچھ وہ گھاس پات کھاتی ہے اس سے سوگنا زیادہ دیتی ہے شری مالک رام ایم۔ ارٹین امریکہ مینبی ملک کے گورنر تھوڑے سے گائے ماس کھانے والوں کے واسطے گاؤ کو ذبح کر کے جاری رکھنا اور دودھ کے استعمال کرنے والوں کی حیاہٹ نہ سُننا یہ ایک بڑی حیرانی کی بات ہے کلکتہ ہائیکورٹ کے جج سرجان اندرف اور کہاں تک فرض کروں ان مذکورہ بالا صاحبان اگاؤ پریمیوں کے مبارک ارشادات کلیان کے گاؤ انک ایں تفصیل تحریر ہیں ناظرین وہاں دیکھ سکتے ہیں۔ اس لئے طوالت کے خوف سے زیادہ تحریر کرنا مناسب نہیں سمجھتا اب میری استدعا ہے کہ ہمیں ٹھنڈے دل سے غور کرنی چاہئے اور آئے دن کی دودھ مکھن گھی کی کمی کے سبب سے ہی آج ہمارا ملک عمر اور صحت کے لحاظ سے باقی تمام ملکوں سے بہت پیچھے ہے اور صحت کے لحاظ سے تو بالکل گر گیا ہے اس کا اندازہ پنجاب میں رہنے والوں سے لگ جاتا ہے وہ دیس جس میں دودھ دہی گھی اور مکھن کی کمی نہیں تھی۔ اب اس گاؤں کی طرف پورا دھیان نہ دینے کی وجہ سے آج پنجاب میں ۱۶ لاکھ انسان تپ دق میں مبتلا ہیں۔ اور دوسرے علاقوں کا کہنا ہی کیا اُن کا ظاہری سبب

صرف دودھ مکھن کی کمی ہی تو ہے۔ یہاں کے دوسرے ملکوں میں دودھ کی تمام پیداوار کو اُن ملکوں کی آبادی پر برابر تقسیم کیا جائے تو مندرجہ ذیل ہے

کنیڈا ۱۲ چھٹانک فی کس نیوزی لینڈ ۲۷ چھٹانک سوئٹزرلینڈ ۴۲ چھٹانک آسٹریلیا ۲۲ چھٹانک انگلینڈ ۱۱ چھٹانک جرمنی ۱۴ چھٹانک امریکہ ۱۴ چھٹانک اور گوپال کے پجاریوں کے ملک میں یعنی بھارت میں تحریر کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے صرف تین چھٹانک فی کس رہ بھی جنگ (۱۹۴۵) کے زمانہ سے پہلے اب تو صرف دو چھٹانک سے بھی کم رہ گیا ہوگا۔ وہ بھی نخالص۔ برے دن کسی کے نہ آئیں۔ یہ وہی دیش ہے یہاں دودھ کی ندیاں بہا کرتی تھیں۔ لیکن آج یہ حالت ہے کہ اصلی دودھ دہی، گھی ایک خواب بن کر رہ گیا ہے۔ اب اس ذکر کو ہیں خیرباد کہتے ہوئے امرتسر میں ہوئے گاؤ سمیلن مورخہ ۱۹ اکتوبر ۱۹۴۶ء کا ذکر بھی کر دوں۔

مورخہ ۱۴ اکتوبر ۱۹۴۶ء کو زیدہم ۲۳۹۶/۴۶ برائے شمولیت کانفرنس ہند کا سمیلن ایک چٹھی موصول ہوئی اس میں ارشاد تھا۔ کہ میں بھی گاؤ رکھشا کے بارے میں تحریری بیان دوں۔ اس چٹھی کو پڑھ کر ازحد خوشی ہوئی اور میرے دیرینہ مرض پریشانی میں کچھ کمی واقع ہوئی۔ جو کچھ بندے نے اس چٹھی کے جواب میں اپنی ناقص کے مطابق

تدابیر عرض کیں۔ عین درج ہیں اس سے قبل ناظرین کو یہ بتا دوں کہ میں وہاں تک کیسے پہنچا اور کس طرح

مجھے دعوت نامہ بھی موصول ہوا تھا اور اس سمیلن میں شامل ہونے کے لیے میرے پریشان دل میں کافی سے زیادہ اُمنگ تھی لیکن بوجہ قلیل آمدنی وہاں تک کے اخراجات برداشت کرنے کی مجھ غریب میں طاقت نہ تھی۔ اس لیے میں نے چند ایک سجنوں کے آگے اپنی مشکلات بیان بھی کیں۔ اور امداد کے لیے بھی کہا۔ اور انہوں نے مجھ سے وعدہ بھی کیا۔ لیکن موقعہ پر صاف جواب دے گئے (آج کا ہندو دھرم) وہی حال ہوا جو ہوتا تھا۔ لیکن اب کیا کیا جائے وہ مہا شکتی سب کی مرادیں پوری کرتی ہے ایک غریب آدمی نے میری امداد کی جس کی مہربانی سے میں وہاں تک پہنچا ذکر تو کر رہا تھا چٹھی کا اور جو کچھ تحریری صورت میں وہاں بھیجا اصل چٹھی کی نقل درج ہے۔

شریمان پوجیہ بابا گورکھ سنگھ جی

"جے گؤ ماتا کی"

آپ کی دو چٹھیات موصول ہوئیں جن کا تہ دل سے شکریہ اپنے خیالات کے مطابق گاؤ رکھشا کرنے سے ہی ہندوستان اور ہندوستانیوں کی اُنتی ہو سکتی ہے۔ ہندوستان کی اقتصادی نا ہی ابنا آزادی کا اتنا دودھ دہی اور گھی کی زیادہ سے زیادہ پیداوار

میں پوشیدہ ہے چنانچہ اسی آدھار پر میں نے روشنی ڈالنی مناسب
سمجھی ہے جو کہ مندرجہ ذیل ہے۔

اب دھرم کے ناطے اس کی رکشا محال ہی نہیں ناممکن ہے۔
بھارت ایک کسانوں کا ملک ہے یہاں اناج کی پیداوار بڑھانے
کی ضرورت ہے یہ اصلی خوراک دودھ دہی مکھن
کی پیداوار میں اضافہ کرنے اشد ضرورت ہے جانوروں کو اچھے طریقے
سے پالا جائے اور سرمایہ دار لوگ اپنے سرمایہ کا کچھ حصہ ایسا
بیوپار پر صرف کریں۔ بڑے بڑے ڈیری فارم جاری کریں شہری
آبادی کے لیے ڈرائی کیٹل فارم بنائیں تاکہ لوگ مویشی انفرادی
طور پر بھی پال سکیں۔ غیر ملکوں میں انہی طریقوں پر عمل کیا جا رہا ہے
انہیں طریقوں کو اپنائیں۔ یہ شرم کی بات ہے کہ جو ملک دوسرے
علاقوں کو گھی سپلائی کرتا تھا آج وہ ریاست گجرات سے گھی منگوا
رہا ہے۔

آخر میں اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ اگر مندرجہ ذیل تجاویز پر عملدرآمد کیا
جائے تو صحیح معنوں میں گاؤ رکھشا ہو سکتی ہے

۱۔ گاؤ بھگتوں کو کچھ عرصہ کے لیے گوشت کھانا چھوڑ دینا چاہیے جس
سے گوشت خوروں کے لیے بھیڑ بکری کی کمی نہ ہے اگر پورے طور پر
نہ چھوڑ سکیں تو کم از کم دودھ دینے والے جانوروں کو چھوڑ دیں۔

۲۔ ضرورت سے زیادہ چمڑے کی اشیاء کا کم استعمال کیا جائے
جہاں تک ہو سکے خود مرے ہوئے جانوروں کی کھالوں سے ہی بنی ہوئی
اشیاء کا استعمال کریں۔ زیادہ سے زیادہ گھی دودھ بڑھانے کے ذرائع
کے لیے اپنی دولت کا کچھ نہ کچھ حصہ جو چمڑے وہ ہے اور موٹر کی
انڈسٹری کو بڑھاوا دینے کے لیے لگایا جا رہا ہے وہ
ڈیری فارم کی انڈسٹری پر صرف کیا جائے۔ تب ہی گائے کے
بچنے کی کافی امید کی جا سکتی ہے۔

۳۔ اگر سچے گاؤ بھگت چاہیں تو پانچ سال کے لیے مندروں کی آمدنی
اور دوسرے قسم کے دانوں کی آمدنی سے ایسے ڈرائی کیٹل فارم اور
مویشیوں کے علاج کے لیے شفاخانے اور ڈسپنسریاں کھولی جا سکتی ہیں۔
جن میں بیمار جانوروں کا علاج اور ڈرائی کیٹل فارموں میں شہر کے رہنے
والوں کے لیے اپنی گائیں دودھ سوکھ جانے کے بعد چار پانچ روپے

ماہوار خرچ پر دوسرے میاں (سو سے تک) گائیں پرورش پا سکیں تاکہ اس سہولیت سے فائدہ اٹھا کر مویشی پالنے کا شوق بڑھے۔

۴۔ اناج سے لیکر جانوروں تک بلکہ انسان تک اچھی قسم اور اچھی نسل ہی بڑھایا جا سکتی ہے نسل سدھار قیمت بڑھانے کا ایک موثر ذریعہ ہے۔ یہاں تو بکری کی قیمت بھی گائے سے کئی گنا زیادہ ہے منافع خور اچھائی برائی نہیں پہچانے گئے۔ دولت کی حرص انسان کو پاگل بنا دیتی ہے منافع خور کو منافع سے غرض ہے چاہے سونے کی سمگلنگ سے یا ناجائز شراب کی کشیدگی سے۔ قصاب کو اس پیشہ سے خدا لگتی کا بیر نہیں یہی منافع خوری اسے اس دھندے کے لئے مجبور کرتی ہے۔

۵۔ بیکار، ڈھولک باجے کھرتال کی تال پر گوپال کو بلانے والے اگر اس جانور کے پالنے کا دھندہ اپنا لیں تو گوپال کے پرورش پانا بہت آسان ہے۔ گائے کے نام پر سیاسی یا ذاتی مفاد کے لئے دھرم کا ڈھنڈورا پیٹنا گائے اور قوم کے لئے نقصان دہ ہے۔

